بسم اللہ الرحمن الرحیم

(۱)

سعیدہ کا بچپن ہماری آنکھ کے سامنے ہے۔ ایسی خاموش بچی مرزا حمید کی سات پشتوں میں بھی پیدا نہ ہوئی ہوگی اسکی طبیعت شروع ہی سے اطاعت و فرماں برداری کے بیش بہا جواہرات سے مالا مال تھی۔ ہم نے خود وہ سماں نہ دیکھا ہو مگر ہمارے سامنے وہ شاہد موجود ہیں جنہوں نے ایک آدھ بار نہیں بارہا دیکھا کہ ماں باپ یا بڑے بہن بھائی نہیں چھوٹوں نے اسکو مارا اور وہ خاموش غلط سلط شکایت کی اور وہ چپ جھوٹ سچ الزام اٹھائے اور وہ گونگی بنی کھڑی ہے، رشیدہ کہنے کو تو چھوٹی تھی، اور ایک دو سال نہیں کھٹی تین بلکہ ساڑھے تین سال مگر ایسی شریر اور چالاک کہ مغز سے باتیں اتارتی اور ایسی لگاتی کہ خواہ مخواہ یقین آجاتا۔ بھلا یہ بھی کوئی موقعہ تھا کہ دونوں بیٹھی گڑیاں کھیل رہی تھیں، سعیدہ کی چمنی کے منہ پر سیاہی کا ایک دھبہ سا لگ گیا تھا، کہنے لگی لے دیکھ، جیسی تو خود جھوٹی لپاٹن ہے ایسی ہی تیری چمنی، جیسے ہی منہ کالا ہوگیا۔ اب تیرا بھی آج ہی کل میں ہونے والا ہے۔ سعیدہ اتنا سنتے ہی گھبرا گئی اور رشیدہ سے کہا بُوا میں تو کبھی جھوٹ نہیں بولتی اس نے جھوٹ بولا ہوگا جو اس کا منہ کالا ہوگیا۔ اے ہے رشیدہ کیا میرا بھی کالا ہو جائے گا۔ اسوقت سعیدہ کی عمر نو اور رشیدہ پانچ ساڑھے پانچ سال کی ہوگی۔ اور کون سمجھ سکتا تھا کہ اس سے مطلب رشیدہ کا کیا تھا۔ سعیدہ خاموش ہوگئی مگر رشیدہ کا مقصد پورا نہ ہوا تھا اور اس کوشش کی تہ میں ایک غرض پوشیدہ تھی۔ بہن کو خاموش دیکھ کر یہ تو وہ اچھی طرح سمجھ گئی کہ کام بن گیا مگر ضرورت تھی کہ کام پورا ہو جائے

ہنسی اور ہنسکر کہا لاکہ تم جھوٹ نہ بولو مگر تمہاری چمنی تو جھوٹی ہے۔ روز میں دیکھتی ہوں، کہ لگائی بجھائی کرتی رہتی ہے۔ اب اسکا تو کالا ہو چکا اگر یہ تمہارے پاس رہی تو تمہارا بھی کالا ہو جائے گا اور ایسا کالا کہ پھر عمر بھر سفید نہیں ہو سکتا۔ ایسی چمنی کو آپا کیا آگ لگاؤگی۔ چمنیوں کی کچھ کمی تھوڑی ہے اور لے لینا، اس بے ایمانی کو نکال باہر کرو۔ اتنا کہہ کر رشیدہ نے چمنی ہاتھ میں اٹھالی۔ بہن کا ہاتھ تو سعیدہ نہ روک سکی مگر چمنی کی محبت میں کھڑی ضرور ہو گئی، رشیدہ نے دروازہ پر آکر چمنی باہر پھینکدی اور کہا دور ہو مردار اب اپنا منہ تو کالا کر چکی آپا کا بھی کریگی۔ یہ فقرہ ختم کرتے ہی خواہ مخواہ آواز دی "ہاں یہاں ہیں آتی ہیں" "جاؤ بی آپا اماں بلا رہی ہیں" سعیدہ یہ سنتے ہی ماں کے پاس پہونچی اور رشیدہ نے چمنی اٹھا جھٹ اپنی گڑیوں میں لاکر رکھدی سعیدہ ماکے پاس پہونچی تو اس نے کہا میں نے تو نہیں بلایا وہ کم بخت یوں ہی باتیں لگایا کرتی ہے بلا تو سہی اسکو، رشیدہ کیا اس مرحلہ سے بے خبر تھی۔ وہ پہلے ہی کھڑی سنگنیاں لے رہی تھی ماکی اتنی آواز سنتے ہی آگے بڑھی اور کہنے لگی، یہ دروازہ میں کھڑی چیخ رہی تہیں، ابا جان کے آنے کا وقت تھا میں نے کہا وہ آرہے ہونگے۔ ان سے یوں کہتی تو کیا سنتیں، میں نے کہدیا کہ اماں بلا رہی ہیں، اس دن دیکھنے میں فقط کھڑی ہوئی تھی وہ آگئے کس قدر خفا ہوئے ہیں اور آپکی بھی فضیحتیاں کی ہیں، اس کے جواب میں سعید کی طاقت نہ ہمت حالانکہ ضرورت تھی لیکن کرتی کیا خاموش کھڑی ہو گئی، ماں نے رشیدہ کو سچ سمجھ کر کہدیا کہ تو نے اچھا کیا اس بدنصیب کو کسی بات کا خیال ہی نہیں رہتا، ہاں آنے کا وقت ہے ہی اس کا کیا بگڑتا غصہ تو میرے اوپر اترتا۔ اس قسم کی ایک دو نہیں بیسیوں باتیں ہوتیں اور کبھی کبھار نہیں اکثر بلکہ دن رات، اور خود ما اور باپ دونو اپنے بچوں کی عادت اور سعید کی غربت سے اچھی طرح واقف تھے لیکن رشیدہ کے مقابلہ میں جب کبھی سعید کا کوئی معاملہ آکر پڑا ہی ہم نے نہیں سنا کہ اسکی خموشی نے نقصان نہ پہونچایا ہو۔

اس طبیعت کا نتیجہ یہ تھا کہ خواہ مخواہ کی فضیحتیاں بلاوجہ کی گھرکیاں سعید کی تقدیر
میں تھیں آس نہ پاس واسطہ نہ غرض دونوں لڑکے انگنائی میں گیند بلاّ کھیل رہے تھے،
بڑے نے ادا بلاّ گیند کمرے میں اور کمرے کے بیچ کے طاق میں شیشہ کی صراحی
چھن سے، دن دہاڑے کا معاملہ ایک دو کے نہیں سارے گھر کا دیکھا دکھایا مگر ماکے
پاس خبر پہنچی تو دونو بھائی صاف مکر گئے اور سعید کا نام لگا دیا۔ اب ماں ہر چند دریافت
کرتی ہے پوچھتی ہے بگڑتی ہے لیکن وہ بجائے اس کے کہ دونوں کو جھٹلائے اور کہے کہ
انّا نے دیکھا ماما نے دیکھا رشیدہ موجود تھی، خاموش کھڑی منہ تک رہی ہے۔ اب بچوں
کو سچا اور اس گونگی کو مجرم نہ سمجھنے کی وجہ کیا؟

حمید کچھ دوستوں کی صحبت کچھ زمانہ کی رفتار سے تعلیم نسواں کا دل سے حامی
تھا اور اس قدر حامی کہ اگر اس کا بس چلتا تو بچیوں کو مشن تک بھیجنے میں تامل نہ تھا،
لیکن بیوی چونکہ ایک کٹّے ملاّ کی بیٹی تھی اس نے پڑھنے لکھنے پر تو کبھی اعتراض کیا
نہیں البتہ مشن کی مخالفت میں کسر نہ کی۔ بعض دفعہ اسی خیال کی مخالفت نے حمید کو
غیر معمولی اذیت پہونچائی اور وہ سمجھا کہ بیوی قطعاً جاہل ہے لیکن بیوی چونکہ خود
خاصی پڑھی لکھی تھی اس لیئے اس نے صرف زبان سے منع نہیں کیا بلکہ عملی طور پر
بھی میاں کو بچیوں کی تعلیم میں مدد دی گو ایک چھوڑ دو دو استانیوں کا انتظام خود کیا
لیکن اسپر بھی وہ ان کے ساتھ خود لگی ہی رہتی اور خانہ داری کے جھگڑوں سے
جب فرصت ملتی اور جتنی ملتی وہ مقدم بچیوں کی تعلیم اور نگہداشت پر صرف کرتی ان
حالات میں حمید کو حق نہ تھا کہ وہ بیوی کی مخالفت کو صرف اسلیئے کہ رائے کی مخالفت کو
وقعت دیتا اور زبردستی بچیوں کو مشن میں بھیجدیتا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ مشن کی لڑکیاں
جو کچھ پڑھ اور لکھ رہی ہیں وہ میری بچیاں گھر بیٹھے سیکھ رہی ہیں، ہاں ایک بات
ضرور تھی، اور وہ یہ کہ جو چستی اور چالاکی جو طراری اور تیزی وہ مشن کی لڑکیوں میں پاتا تھا

وہ ان لڑکیوں میں نہ تھی اسی کمی نے اسکو اکثر تکلیف دی، اور وہ ہمیشہ اس فکر میں رہا۔ کہ جس طرح بھی ہو سکے ان کو زمانہ کی رفتار کا اندازہ ہو اور یہ جو بھونڈے میں پل کر جاہل مطلق رہیں گی اس کا بار صرف میری گردن پر ہے،

اس فیصلہ نے حمید کو آمادہ کر دیا کہ وہ اب بیوی کی مطلق پروانہ کرے اور بچیوں کو مشن میں داخل کر دے۔ اسی سلسلہ میں اس نے ایک روز رات کے وقت کھانے سے فارغ ہونے کے بعد بیوی سے پوچھا۔

"بچیوں کے پاس کپڑوں کے جوڑے معقول ہیں"

بیوی۔ میں سمجھ نہ سکی کیا مطلب ہے،

حمید۔ میں ان کو مشن میں داخل کرنا چاہتا ہوں،

بیوی۔ پھر وہی ہڑک اٹھی،

حمید۔ فضول باتوں سے فائدہ نہیں۔ جواب دو،

بیوی۔ معقول باتیں فضول نہیں ہو سکتیں،

حمید۔ تم کو معلوم نہیں کہ لڑکیوں کی تمام خرابیوں کے ذمہ دار ان کے والدین ہیں، ایک معقول اور تعلیم یافتہ شوہر دن بھر کی محنت اور مشقت کے بعد گھر میں گھستا ہے تو اسکی خواہش یہ ہوتی ہے کہ ایک ایسی عورت بیوی ہونے کی حیثیت سے اس کے سامنے آئے جو اپنی صورت سیرت عادت خصلت سے اس کا غم غلط کرے اسکی طبیعت گوارا نہیں کرتی کہ ایک جاہل مطلق گندی بدصورت عورت اس کو خانہ داری کے جھگڑوں میں پھنسا کر اور زیادہ پریشان کرے۔ بچیاں اگر دس ہزار کے زیور سے آراستہ و پیراستہ ہوں تو وہ فضول ہیں جب تک وہ تعلیم کے زیور سے مزین نہ ہوں

بیوی۔ تو کیا تمہاری رائے یہ ہے کہ میری بچیاں مشن میں یا کسی اور جگہ جا کر اس سے زیادہ تعلیم حاصل کر سکتی ہیں جو ان کو یہاں مل رہی ہے آخر تمہاری رائے میں یہاں کیا

کی ہی میں مشن کی اکثر لڑکیوں کو دیکھ چکی ہوں اور خود حسنہ سے روز ملتی رہتی ہوں جس وقت تمہارا جی چاہے اپنی بچیوں کا اس سے مقابلہ کر لو، حالانکہ سعید اس سے ڈیڑھ سال چھوٹی ہے،

حمید۔ ہاں تو تم سمجھ ہی نہیں سکیں کہ میرا مقصد کیا ہی محض تعلیم ہی کی ضرورت نہیں عورت کو اور چیزوں کی بھی ضرورت ہی۔

بیوی۔ ہاں تو وہ بھی بتاؤ کہ مشن میں جاکر اور کیا سیکھنا ہی،

حمید۔ سب سے بڑی بات تو چالاکی ہی جو ان دونوں میں اور بالخصوص سعید میں مطلق نہیں یہ تو ٹھس پتھر ہے کہ اس کی طبیعت میں کسی بات کا احساس ہی نہیں، میں نے کبھی کوئی امنگ ہی اس کے دل میں نہ دیکھی۔ غضب خدا کا محرم میں دنیا بھر کی لڑکیاں کوٹھے پر تماشا دیکھنے چڑھیں اور یہ کم بخت تب بھی نیچے ہی بیٹھی رہی۔ کیا ایسی ٹھس طبیعت کی عورت سے تم یہ توقع رکھتی ہو کہ وہ شوہر کو خوش رکھ سکتی ہے یہ تو عورت کیا ایک مٹی کا تھوا یا آلے کی آیا ہوگی۔ جس کا عدم وجود سب برابر ہے، کسی صلاح مشورے کی یہ نہیں، کسی بات چیت کی یہ نہیں، ایک بت ہی کہ سامنے بیٹھا ہے،

بیوی۔ تو تمہاری رائے میں منجملہ دوسری باتوں کے بیوی میں چالاکی کا ہونا بھی ضروری ہے اور شوہر کو سیدھی عورت کے مقابلہ میں چالاک عورت زیادہ پسند ہونی چاہیئے،

حمید۔ چالاک کے معنی جو میں سمجھتا ہوں وہ شاید تم نہیں سمجھیں میرا مقصد چالاک سے یہ ہے کہ ہر بل اور گوشت کا لوتھڑا نہ ہو،

بیوی۔ مگر فطرت کا بدلنا تو میری رائے میں مشکل سے ممکن ہے،

حمید۔ یہ فطرت نہیں اسباب پر منحصر ہے اگر تم اس کو مشن میں بھیجو یہ وہاں جاکر ہم عمر لڑکیوں میں بیٹھے ہنسے بولے کھیلے کودے تو ضرور تیز ہو جائے گی،

بیوی۔ تم اسکو اس قدر ضروری خیال کرتے ہو کہ ہر قیمت دیکر اس کا خریدنا درست ہی۔

حمید۔ مطلب نہ سمجھا پھر کہو،

بیوی۔ لڑکیوں کو آنکھ سے اوجھل کرنا میرے خیال میں ہرگز مناسب نہیں، بچیاں والدین کے پاس شوہروں کی امانت ہیں۔ اور ان کا کوار پتہ کا زمانہ جب وہ سیانی ہو جائیں والدین کے واسطے بہت بڑی ذمہ داری ہے اگر میرا خیال غلط نہ ہو تو میں کہونگی کہ میں گھر کی ذمہ داری سے جو ایک بیوی پر ہے۔ کواری بچی کی ذمہ داری کو زیادہ ضروری سمجھتی ہوں،

حمید۔ یہ درست ہی سہی لیکن کیا دن دہاڑے ڈاکہ پڑ رہا ہے کہ لڑکیاں مشن میں جا کر آوارہ ہو جائینگی،

بیوی۔ میں یہ تو نہیں کہتی بلکہ اس قسم کے واقعات سے میرے اور تمہارے دونوں کے کان آشنا ہیں۔ تم نے بھی سنا اور میں نے بھی۔ تم نے بھی دیکھا اور میں نے بھی، کہ میراجین کی لڑکی کا کیا حشر ہوا۔ نصیر ٹنڈے کی بہن پر کیا گزری،

حمید۔ ہاں مجھے معلوم ہے اس کے بعد کیا مدرسہ بند ہو گیا اور اب وہاں لڑکیاں تعلیم نہیں پاتیں،

بیوی۔ میں یہ تو نہیں کہتی۔ لیکن ایک اندیشہ کا امکان تو ہے،

حمید۔ اگر احتیاط کی جائے تو کچھ اندیشہ نہیں،

بیوی۔ تمہاری گفتگو سے میں تو یہ سمجھ رہی ہوں کہ عصمت جسکو میں دنیا کی ہر بیش قیمت سے بیش قیمت چیز کے مقابلہ میں قیمتی سمجھتی ہوں۔ تمہاری رائے میں کوئی وقعت نہیں رکھتی۔ والدین لڑکیوں کی عصمت کے محافظ ہیں اور اگر وہ اس فرض کی ادائگی میں غفلت کریں تو نہ صرف اسلیئے کہ شرم وحیا کی وجہ سے وہ خودکشی کرلیں، بلکہ شرعاً اور ایماناً بھی ان کو خودکشی کرلینی چاہیئے۔ ان کو دنیا میں زندہ رہنے کا حق نہیں بلکہ میں تو یہ کہونگی کہ وہ خدا کے سامنے جانے اور منہ دکھلانے کے قابل نہیں،

حمید۔ میں اس خیال سے متفق ہوں اور عصمت کو ہر لڑکی کے واسطے دنیا میں اتنا ہی ضروری

سمجھتا ہوں جتنا تم لیکن مجھے اس سے اتفاق نہیں کہ وہ اس کے واسطے دنیا کی ہر کیفیت سے محروم ہو جائے۔ ہم ایک لڑکی کو ایک شخص کے نکاح میں دیتے ہیں ہمارا فرض ہے کہ ہم اسکو اس قابل بنا کر بھیجیں کہ وہ اپنے شوہر کی بہترین رفیق لاجواب غمگسار اور بے نظیر دوست ہو۔ اگر لڑکی ان تمام صفات سے موصوف نہیں تو اسکی ذمہ وار والدین ہیں، اور اگر بیوی ان نقائص کا جو والدین کی غفلت سے اسمیں پیدا ہوئے خمیازہ بھگتے تو والدین کو شکایت کا حق نہیں انہوں نے لڑکی کو اس قابل بنایا ہی نہیں کہ شوہر اس سے محبت کرے،

بیوی۔ ہاں یہاں مجھے تم سے اختلاف ہے میں عصمت کو سب سے مقدم سمجھتی ہوں،

حمید۔ یہ تو میں خود کہہ رہا ہوں لیکن ایک گوشت کا لوتھڑا عورت ہرگز شوہر کی تمام ضرورتوں کو پورا نہیں کر سکتی،

بیوی۔ یہاں بحث کا وہی حصہ شروع ہوتا ہے غالباً تمہارا انشا یہ ہے کہ وہ طرار ہو ہوشیار ہو۔

حمید۔ یقیناً یہی ہے،

بیوی۔ مجھے پھر تم سے اختلاف ہے،

حمید۔ کیا؟

بیوی۔ وہی عصمت!

حمید۔ میں خود اسکو مقدم رکھ رہا ہوں،

بیوی۔ ہم مسلمان ہیں ہم کو جن خوبیوں سے اپنی بچیوں کو آراستہ کرنا مقصود ہے ان کے اسباب ہمارے پاس موجود نہیں، جو باتیں ہمارے امکان میں ہیں اگر ہم ان سے دریغ کریں اور بچیوں کو مستفید نہ ہونے دیں۔ تو یقیناً یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہم نے غفلت کی لیکن جو امکان سے باہر ہے اس کا علاج ہم کیا کر سکتے ہیں،

حمید۔ تعلیم سب سے زیادہ ضروری چیز ہے، اور جو چیز جاہل اور پڑھے لکھی لڑکیوں

میں ما بہ الامتیاز ہے وہ صرف تعلیم ہے۔ لڑکیوں کو صرف تعلیم ہی انسان بنا سکتی ہے اور وہ اس قابل ہونگی کہ شوہر کو رضامند رکھ سکیں اور رضامند نہیں بلکہ یوں کہو کہ شوہروں کے ساتھ اطمینان سے زندگی بسر کرسکیں۔ جو شوہروں کو خوش رکھینگی ان کو خود بھی خوش رہنے کا حق حاصل ہے۔

بیوی۔ میں اس خیال سے تو متفق ہوں کہ تعلیم کسی حال میں مضر نہیں لیکن ہم تعلیم کو اس حد تک ضروری سمجھیں گے جہاں تک عصمت کا سوال پیدا نہ ہو مگر جس جگہ دنیا بھر کی یقین اور عین الیقین کے معاملہ میں عصمت کے ضائع ہونے کا ذرہ بھر بھی احتمال ہو وہاں تعلیم کا وزن کچھ نہیں رہتا،

حمید۔ یہ خیال درست نہیں۔ تم اس کے شوہر کے سامنے یہ عذر پیش نہیں کرسکتیں،

بیوی۔ نہیں یہ بات نہیں ہے ہم کو پیش کرنے کا حق حاصل ہے اور گو ایک بھولی بھالی سیدھی سادی لڑکی تمہارے اصول کو پیش نظر رکھ کر کہ اس کا چالاک نہ ہونا بھی ایک جرم ہے۔ مجرم سمجھ لی جائے ہونا، ہم اسکی سادگی اور یہ سیدھا پن بھی قابل وقعت ہے اگر شوہر ایمان رکھتا ہے تو وہ اس کی بھی قدر کرے گا، لیکن اس بحث کو جانے دو۔ اور معاملہ کے اس رستے پر آؤ کہ ہم نے ایک لڑکی کو ان تمام خوبیوں سے جو ہمارے امکان میں تھیں مالامال کر دیا، لیکن اس لیئے کہ اس کا سب سے بڑا جوہر عصمت ہماری نگاہ میں بیش بہا تھا اسکو محفوظ رکھنے کے واسطے بعض خوبیوں سے محروم رکھا تو وہ ہرگز قابل گرفت نہیں۔ اور نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ والدین نے غفلت کی،

حمید۔ بس تو تمہارا مطلب یہ ہے کہ ہمارے لیئے مشن کی تعلیم ناجائز،

بیوی۔ میں یہ نہیں کہتی،

حمید۔ پھر کیا کہتی ہو،

بیوی۔ سعید کی عمر اس قابل نہیں کہ وہ ایک لمحہ بھی میری آنکھ سے اوجھل ہو،
حمید۔ خواہ اسمیں کتنا ہی نقصان ہو،
بیوی۔ بیشک،
حمید۔ نتیجہ وہی نکلا،
بیوی۔ نکلے،

(۳)

اس طبیعت کی لڑکی جسکی فطرت ہی خوشی تھی، ماکی تربیت میں جوان ہوئی صرف کہنے کو انسان تھی ورنہ انسانیت کے اکثر جذبات اس سے ہزاروں کوس دور تھے، حد یہ ہے کہ کھانا کپڑا کوئی چیز ایسی نہ تھی جس کا شوق اسکی طبیعت میں پایا جاتا، کبھی کسی زیور کی طرف اسکی رغبت نہ ہوتی۔ کسی اچھی غذا کی طرف اسکا مائل ہونا ناممکن تھا جو ملگیا اور سامنے آگیا وہی غنیمت تھا اور کافی تھا۔ برسات کے موسم میں حمید اکثر باغوں میں جاتا، بیوی بچے ساتھ ہوتے اور یہ وہ موسم تھا جس کے نام سے دل میں امنگ پیدا ہوتی ہے، مگر اس کے واسطے ہر خواہش قسم اور ہر امنگ گناہ تھی، یہ نہ تھا کہ وہ ساتھ نہ جاتی ہو، یا کھانے پینے میں شریک نہ ہوتی ہو وہ باغوں میں جاتی، جھولے جھولتی، آم کھاتی، شربت پیتی، مگر اسکی شرکت علی الاعلان بتا رہی تھی کہ ان تمام مسرتوں کا عدم اور وجود اسکے واسطے برابر ہے، مینہ اگر عمر بھر پڑتا رہے تو اور گرمی ساعت بہ ساعت ترقی کرے تو اس کے واسطے دونو باتیں یکساں تھیں شروع شروع میں ماکو اسکی یہ طبیعت دیکھ کر تعجب بھی ہوا اور ایک آدھ دفعہ اس نے کہا بھی لیکن اسکو اس کا افسوس نہیں ہوا۔ ایک موقعہ پر جب حمید نے یہ کہا کہ دیکھئے اس کا حشر کیا ہوتا ہی تو اس نے صاف کہدیا کہ

ایسی دبی دبائی لڑکیاں نصیب کہاں ذرا دنیا کی لڑکیاں دیکھو تو آنکھیں کھل جائیں!

حقاقہ دقاقہ چیرو چار گھار و پانچ نوج ایسی بیویاں گھروں میں آئیں کہ کھولو میاں لیں مقنع اور گھر سنبھالوں اپنا تیسرے ہی دن میاں کی پگڑی اور اپنا دوپٹہ بیچ کھا جبکو نتے ہزار دفعہ غرض ہوگی آئے گا اور ہاتھ جوڑ کرے جائے گا۔ حمید اس قسم کی باتوں پر جب کبھی بیوی کرتی۔ ہنستا اور یہ سمجھتا کہ ہولون ہے، دقیانوسی خیالات رگ رگ میں گھسے ہوئے ہیں،

ماباپ کا یہ اختلاف ایسا نہ تھا جو سعید سے پوشیدہ رہتا۔ وہ دن رات دونو کے خیالات دیکھتی اور سنتی، اور خود باپ نے بھی کئی مرتبہ بیوی کی موجودگی میں سعید سے کہا کہ بیٹی ذرا دنیا پر نظر ڈالو عمر کاٹنی ہے آخر کب تک اس طرح آٹے کی آپا بنی بیٹھی رہو گی مگر وہ ارادتاً ہر معاملہ سے علیحدہ رہتی باپ کے سامنے اسنے ہمیشہ نیچی گردن آنکھیں جھکالیں لیکن چاہیئے کہ باپ کے کہنے کا اثر ہوتا اور رشیدہ کی طرح دنیا سازی کرتی، مطلق نہیں ہاں یہ ضرور تھا کہ وہ باپ کی خدمت ماں کی اطاعت گھر کی ضرورت کا خیال ہر بچہ سے زیادہ رکھتی کتاب سے فرصت پاکر زیادہ وقت گھر کے دھندوں میں بسر کرتی یہ اسکی تقدیر کہ تین گھنٹہ میں جلی بھنی پکا پکو چاول لائی اور نام ہوا رشیدہ کا،

عمر کے ساتھ ہی ساتھ سعید کی عادات وخصائل بھی ترقی کر رہی تھیں، جوان ہوئی تو ایسی ہوئی کہ دن بھر باورچیخانہ میں یا کوٹھڑی میں، باپ کے سامنے آنا بڑے بھائیوں کے روبرو پھرنا قسم ہوگیا۔ یہ وہ وقت تھا کہ میاں بیوی کے اختلافات نے اس خاص مسئلہ میں اور زیادہ ترقی کرلی تھی، لڑکے باپ کے ہم خیال تھے اور ہرگز پسند نہ کرتے تھے کہ سعید بہن ہوکر کوٹھڑی میں بند ہو جائے مگر ماں بیچی کی اس افتاد پر مطمئن تھی اور اس نے جھوٹ موٹ بھی کبھی بچی کو روکا ٹوکا کہ وہ باپ یا بھائی کے سامنے آئے اور نہ ان کے کہنے پر عمل کرے۔ جوان لڑکی کے

گھر میں اچھے برے بھولے بھٹکے پیغام آتے ہی ہیں سعید کے بھی آئے، مگر حمید نے یہ غضب ڈھایا کہ بیوی سے بچی کے سامنے صاف کہدیا کہ ہر معاملہ میں بچی کی رائے مقدم ہے۔ پہلی مرتبہ جب بیوی نے میاں کے یہ الفاظ سُنے تو دہم ہوگئی اور اگر سعید سُن پاتی تو شاید زمین میں گڑ جاتی مگر جب متواتر اس قسم کی آوازیں شوہر کی طرف سے بھی اور بچوں کی زبان سے بھی کان میں آئیں تو اسکو بھی مساوات ہوگئی ایک روز مشاطہ ایک ایسا پیغام لے کر آئی جسمیں وہ تمام باتیں موجود تھیں جن کا حمید متمنی تھا۔ اس نے فوراً تحقیقات شروع کردی اور جب یہ معلوم ہوا کہ لڑکا ہر اعتبار سے درست ہے اور میں جن باتوں کا خواستگار ہوں، وہ سب اسکی ذات میں موجود ہیں تو شام کے وقت دونوں بچوں کو سامنے بٹھا کر اس نے بیوی سے اس طرح کہا۔

میں اس قسم کے لڑکے کی تلاش میں تھا۔ مجھے اسلام میں وہ تمام باتیں نظر آتی ہیں جن کا میں جویا تھا۔ دقیانوسی خیالات کا لڑکا نہیں، تعلیم جدید سے پوری طرح آراستہ ہے، مفت نہیں کھاتے پیتے باپ کا لڑکا اور خود کماؤ ہے۔ صورت شکل عادات اطوار خیالات غرض کوئی نئی نہیں، اب تم بسم اللہ کرو اور سب سے پہلے سعید کی رائے لو کہ وہ اس معاملہ میں کیا کہتی ہے،

بیوی۔ تم نے پہلے بھی کئی مرتبہ میرے سامنے اس قسم کا ذکر کیا، یہ بھی شاید آجکل کا فیشن ہے۔ کہ لڑکیوں سے رائے لو حالانکہ اس سے زیادہ لغویت اور کچھ نہیں ہو سکتی لڑکیوں کی رائے اسوقت ٹھیک ہو سکتی ہے، اور ایک لڑکیوں کی کیا ہر اس شخص کی جو رائے دینے والا ہے کہ اسکو معاملہ کے ہر پہلو سے پوری طرح واقفیت ہو، بھلا تم ہی بتاؤ جو شخص ایک معاملہ سے واقف ہی نہیں وہ کیا رائے دیگا، اگر تمہاری رائے میں اسکی اجازت ضروری ہے تو اسکو اجازت دو۔ کہ وہ گھر سے باہر نکلے اور خود جا کر پہلے لڑکے کو دیکھے اس کے حالات معلوم کرے، اسکی

عادتوں کا، حالتوں کا، خصلتوں کا، باتوں کا اندازہ کرے، کچھ خود دیکھے کچھ تحقیقات کرے
اس کے بعد تو اسکی رائے کوئی وقعت رکھ سکتی ہے اور یہ کیا کہ ایک شخص جان نہ پہچان واسطہ
نہ غرض اس کے معاملہ میں رائے دیدو اور رائے بھی اس قدر ذمہ داری کی ان معاملات
میں رائے ماں باپ کی ہوتی ہے جو معاملہ کی اچھی طرح چھان بین کر سکتے ہیں، بغیر واقفیت کے
کسی شخص کی رائے ہے کس کام کی،

حمید۔ تم ہر معاملہ میں الٹی سیدھی باتیں کیا کرتی ہو،

بیوی۔ یہ تو کوئی الٹی سیدھی بات نہیں،

بڑا لڑکا۔ امّاجان دقیانوسی باتوں کو چھوڑ دیجئے،

چھوٹا لڑکا۔ ہاں!

بیوی۔ چار آدمیوں کا ملکر کسی شخص کو نکو بنا لینا تو بہت آسان ہے مگر دوسرے کو قائل
کر دیا ہو جاؤ،

حمید۔ واقعات اسکے سامنے بیان کر دو،

بیوی۔ ہاں یہ دیکھو اب راستے پر آئے ہو۔ واقعات کی رائے صائب نہیں ہو سکتی اس میں
غلطی کا احتمال ممکن ہے،

حمید۔ پھر کیا کیا جائے،

بیوی۔ خود رائے دو،

حمید۔ میری رائے میں تو درست ہے،

بیوی۔ بس تو بسم اللہ کرو،

حمید۔ مگر خود اس سے رائے نہ لو،

بیوی۔ ہرگز نہیں،

حمید۔ گناہ ہے؟

بیوی۔ نہیں مگر مصلحت ہے،
حمید۔ تمہاری ضد دیکھئے کیا دکھاتی ہے،
بیوی۔ یہ تو ضد نہیں معاملہ ہے،

(۳)

تھوڑی سی اختلاف رائے اور معمولی رد و کد کے بعد سعید کا نکاح اسلام سے ہوگیا، حمید علاوہ معقول پنشن کے دو سو روپیہ ماہوار کی جائداد کا مالک تھا، خوش قسمتی سے بیوی بھی سو روپیہ کا کرایہ اور ایک گاؤں جہیز میں لائی تھی سعید کو میکہ سے بہت کچھ ملا، اور حق یہ ہے کہ توقع سے زیادہ ملا۔ اسلام بی اے سے فارغ ہوکر وکالت کی کوشش کر رہا تھا، اور گو اس کا خیال تھا کہ امتحان کے بعد شادی ہو مگر چونکہ باپ بارہ مہینہ کا بیمار تھا، اور اس نے اصرار کیا، اس لیئے شادی امتحان سے پہلے ہوگئی، پہلے سال جبتک اسلام کے سر پر امتحان کا فکر رہا معاملہ نے کوئی خاص سہولت اختیار نہ کی لیکن ادھر تو امتحان میں ہوئی کامیابی ادھر باپ کو آئی موت، اور سفید و سیاہ کا تمام اختیار اسلام کو ہوا تو عقدہ کھلا کہ بیوی میں جو خوبیاں میں جہیز کی تلاشی تھیں وہ سعید میں نہ تھیں وہ چاہتا تھا کہ دن بھر کا تھکا ماندہ کچہری سے واپس آؤں تو بیوی بن ٹھن کر صحن ہی میں میرا استقبال کرے، اور اگر میرے سر میں درد ہو تو بیوی کا دم نکل جائے، سعید کی کیفیت یہ کہ وہ میاں کو آتا دیکھ شرم کے مارے چند لمحہ کے واسطے آنکھ ہی سے اوجھل ہو جائے، کہ کہیں مزاج بگڑا نہ رہا ہو۔ اس تخالف نے اسلام کے کان کھڑے کیئے وہ روز بروز اور لمحہ بہ لمحہ بیوی سے متنفر ہوتا جاتا تھا۔ کئی مرتبہ تو موقع پاکر بیوی سے کہا بھی اور اپنی خواہشیں بھی ظاہر کیں۔ مگر سعید جیسی طبیعت کی لڑکی سے یہ توقع جایز نہ تھی، اس کی عادت بدلی گئی نہ بدلی جاسکتی تھی، وہ یہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی کہ اسلام مجھ سے خوش نہیں مگر اسلام کا خوش ہونا اس کے امکان سے باہر تھا، اور یہ قطعاً ناممکن تھا کہ شوہر کی محبت تجھے

جواب میں اپنی طرف سے بھی اظہار محبت میں کمی نہ کرتی، اور صرف چھ مہینہ کی بیاہی اسلام کے بخار میں پٹی پچھاڑ کر رات بھر آنسو بہاتی،

ہم اسلام کے ان تمام الزامات سے باخبر ہیں جو اس سلسلہ میں اس نے ساس اور سسروں پر رکھے۔ ان سب کا خلاصہ یہ تھا کہ اگر سعید موجودہ زمانہ کی تعلیم سے آراستہ ہوتی تو ہرگز اسلام کی زندگی کا یہ حشر نہ ہوتا، مگر اسلام اس معاملہ میں یقیناً حق بجانب نہیں، سعید اس شان کی عورت اور اُن کی بیوی تھی کہ اگر اسلام انسان ہوتا تو ایسی بیوی کے پاؤں دھو دھو کر پیتا یہ صحیح کہ اگر کچہری سے آکر وہ دالان میں قدم رکھنے سے پہلے ہی مصافحہ کرتی تو سعید کا خون چلّووں بڑھ جاتا، اور وہ سمجھتا کہ بیوی نہایت معقول پڑھی لکھی اور اپنے فرائض سے باخبر ہے لیکن یہ جونک ادھر چار چلّو خون بڑھا کر اندر ہی اندر جو خون چوستی اور مصیبت ڈھاتی وہ چند ہی روز میں قبر جھکانے والی تھی، سال ڈیڑھ سال کے بعد اسلام کی زبان کا ٹانکا ٹوٹ گیا، اور نوبت یہاں تک پہونچ گئی کہ وہ جو کچھ منہ میں آتا دھڑلّے سے سناتا۔ افسوس اس بات کا ہے کہ اس تمام داستان میں ایک حرف بھی ہم کو ایسا نہیں ملتا کہ بے زبان بیوی نے کبھی بھی طرار شوہر کو جواب دیا ہو۔ ابھی تک نصیحتوں میں صرف اسکی ذات شامل تھی اب اس کے باپ دادا اور پردادا بھی شامل ہوگئے +

(۴)

اسلام کے ماموں جو بنگال میں کبھی سررشتہ دار تھے تین مہینہ کی چھٹی لے کر گھر آئے بھانجے نے دعوت کی اور بیوی سے کہدیا کہ آج چار آدمیوں کا کھانا زیادہ پکیگا۔ ماموں جان اور ان کے ساتھ تین آدمی اور، گو اسلام کا بیان یہ ہے کہ سعید نے مطلق توجہ نہ کی اور ماماؤں نے جیسا برا بھلا پکا کر آگے رکھدیا نکال باہر بھیجا مگر ہم کو جو کچھ معلوم ہے اسکی بنا پر ہم باآسانی کہتے ہیں کہ اسلام بے ایمان ہے، سعید

اگرچہ سیدھی اور بھولی تھی مگر اس کے انسان ہونے سے تو اسلام کو بھی انکار نہیں، وہ جانور نہ تھی کہ گھر میں دعوت ہو اور وہ باورچیخانہ میں جاکر جھانکے تک نہیں۔ آخر یہ ہی سعید کو اپنے میں بھی تھی کہ جاڑوں کے دنوں میں جب تک سوا پہر دن نہ چڑھ جاتا۔ والان سے باہر نہ نکلتی، اور وہ مجبور تھی کہ عرق النسا کا مرض بچپن سے اس کی جان کے ساتھ تھا، مگر ہم نے کبھی نہ سنا کہ حمیدا ایک دن بھی ہو کا کچھری گیا ہو۔ کام کرنے والی یہی دونوں بچیاں تھیں یہ صحیح کہ اکیلی سعیدہ نہ کرتی تھی مگر اس سے کون انکار کرسکتا ہے کہ رشیدہ سے پہلے ہمیشہ سعید باورچیخانہ میں گئی اور اس نے اپنے ہاتھ سے کھانا لے کر باپ کے سامنے رکھا،

شامی کبابوں میں نمک زہر ہو گیا اور اس نے تین دفعہ کوشش کی، کہ میاں کو باہر سے بلا کر اس کی اطلاع کر دے۔ مگر وہ ایک دفعہ بھی اندر نہ گیا، کھانا جس وقت باہر آیا تو کباب موجود نہ تھے، سعید نے چونکہ دیکھ لیا تھا کہ کباب تیار ہو رہے ہیں۔ باہر ہی سے کہلا بھیجا کہ کباب لاؤ، کھانا بہت کافی تھا اور ایک کبابوں کے نہ ہونے سے سعید کی ذات میں پٹہ نہ لگتا تھا اگر عقل سے کام لیتا اور سمجھتا کہ کبابوں کا نہ آنا کیا معنی رکھتا ہے، تو خود ہی معلوم ہو جاتا کہ کوئی مصلحت ہے، لیکن منگائے اصرار سے منگائے بگڑ کر منگائے تقاضہ سے منگائے اور اس طرح منگائے کہ سعیدہ مجبور ہوئی، لاچار ہوئی، اور اسکے سوا چارہ نہ تھا کہ وہی کباب باہر بھیج دیئے، اسلام کباب کا ایک ہی ٹکڑا منہ میں رکھ آگ بگولا ہو گیا اور اسی طرح کھانا چھوڑ چھاڑ گھر میں پہنچا اور بیوی سے کہا۔

"یہ کبابوں میں ایسا زہر نمک کیا منہ پر آنکھیں نہ تھیں"

سعیدہ "میں پلاؤ کی یخنی میں رہی اس کم بخت سفلانی نے قیمہ میں نمک ملا دیا، شام ہو گئی تھی وقت اتنا نہ تھا کہ اور قیمہ منگوا کر پسوا لیتی۔ اسلیئے میں نے نہیں بھیجے تھے۔

اسلام ۔ یہ عذر کافی ہے تو انہی تھی،

سعید ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اسلام ۔ اب کیا اپنا سر کھلاؤں یا تیرا،

سعید ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

اسلام ۔ تھوڑی دیر خاموش کھڑا رہا مگر جب کوئی جواب نہ ملا تو اور دو چار باتیں سنا سُنو باہر آیا ۔ اور کھانا کھالیا

اس قسم کے واقعات ایک سعید ہی غریب پر منحصر و موقوف نہ تھے ۔ یوں شہر میں اونٹ بدنام کہنے کو جو چاہو کہہ لو لیکن نمک زہر اور مرچیں ہلاہل گھروں میں ہی ہوتی ہیں غلطیوں کا ارتکاب انسان ہی سے ہوتا ہے ۔ اس کے یہ معنی اور یہ سزا اگر ہماری رائے غلط نہیں تو لاریب اسلام کی زیادتی تھی،

اس قسم کے پے در پے واقعات نے دونوں میاں بیوی میں ایک ایسی دیوار حائل کر دی تھی جس کا توڑنا اب مشکل سے ممکن تھا لیکن ہم ہرگز ہرگز سعید کو مورد الزام نہیں سمجھتے وہ فطرتاً خاموش عورت تھی سیدھی سادی بچی تھی بھولی بھالی بیوی تھی اسلام دنیا بھر کی باتیں بگھارتا ہے، ساس پر الزام رکھتا ہے خسر کو مطعون کرتا ہے یہ اسکا اپنا کام تھا اور ان حالات میں کہ وہ اس قسم کے خیالات ہی رکھتا تھا تو وہ اچھی طرح تحقیقات کرتا معلوم کرتا دریافت کرتا ۔ کہ جو لڑکی اسکی بیوی ہونے والی ہے جس عورت سے وہ نکاح کرنے والا ہے ۔ اسکی عادتیں اسکی خصلتیں ہیں کس قسم کی اور اسکی خواہشیں بھی پوری ہونگی یا نہیں، حمید نے علی الاعلان کہدیا تھا اور منہ زبانی نہیں، چوری چھپے نہیں لکھ کر اور صاف صاف کہ لڑکی آجکل کی لڑکیوں کی طرح چالاک نہیں، دبی دبائی اور خاموش ہے، ان تمام واقعات کو سننے سمجھنے اور یقین کرنے کے بعد نکاح کرنا ۔ خود اسلام کی اپنی عقلمندی ہے،

نکاح کو پہلا سال تھا کہ ایک لڑکا پیدا ہوا دو سال بعد لڑکی اور پانچ سال کے اندر سعید ایک بدنصیب بیوی تین بچوں کی ماں تھی،

خدا کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہیں اگر سعید کے ہاں بچے نہ ہوتے تو نہ معلوم کیا مٹی پلید ہوتی اس حالت میں بھی کہ بچوں والی تھی اور اسلام اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ کسی صرف پر بھی ایسی خدمت گزار ماما جو اس کے بچوں کی اس طرح پرورش کرے میسر نہیں آسکتی سعید کی وقعت میاں کی نگاہ میں ماما سے زیادہ نہ تھی،

(۵)

اب ان دونوں میاں بیوی کی زندگی وہ زندگی تھی جہاں بہتر امید کا کوئی شائبہ تک نظر نہ آتا تھا۔ اسلام قطعاً مایوس ہو چکا تھا اور زیادہ تر کیا قریب قریب تمام وقت اس کا مردانہ میں بسر ہوتا۔ برائے نام دو چار لمحہ دن رات میں دو ایک مرتبہ گھر میں آیا، دو ایک الٹی سیدھی باتیں کیں اور چلا گیا اپنے منہ سے میاں مٹھو بننے کو اسلام جو چاہے سو کہے لیکن اس کا جواب کیا ہی کہ بہتر سے بہتر مٹھائی اچھی سے اچھی ترکاریاں آتیں اور مردانہ ہی میں ختم ہو جائیں۔ اسلام کی طرف سے اس کا جواب یہ ہی کہ بیوی اپنے معاملات کی خود ذمہ دار ہیں روپیہ ان کے ہاتھ میں ہی۔ جو چاہیں منگوائیں اور کھائیں، مگر اسلام سعید کی طبیعت سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا اور خوب سمجھتا تھا کہ یہ بدنصیب بیوی اپنے پاس سے آم اور خربوزے تو درکنار چنے تک منگوا کر کھانے والی نہیں،

اب یہ اسلام کی عنایت شرافت جو چاہے سمجھو کہ روپیہ پیسہ کے اعتبار سے اس نے بیوی کو کوئی خاص تکلیف نہ پہونچائی مگر اس سلسلہ میں بھی اسلام کچھ زیادہ تعریف کا مستحق نہیں۔ وہ اچھی طرح سمجھ چکا تھا کہ بیوی فضول خرچ اور چٹوری نہیں،

حمید اگر سچ پوچھا جائے تو سعید کا عاشق تھا اور یہ ہی نہیں کہ ان دونوں میاں بیوی کے تعلقات سے بے خبر ہو وہ اچھی طرح دیکھ رہا تھا کہ سعید اندر ہی اندر گھل رہی ہی مگر مجبور تھا کہ تیر ہاتھ سے چھوٹ چکا تھا اور اب انسداد قطعی ناممکن تھا بیوی سے اس نے البتہ کئی مرتبہ تذکرہ کیا اور صلاح پوچھی مگر وہ کیا رائے دیتی، نکاح کے مشورہ میں دونوں میاں بیوی شریک تھے۔ اور اب اسکے سوا چارہ نہ تھا کہ چورکی ماں گھٹنوں میں سر دے اور روئے،

(۶)

عجیب رات تھی وہ جب اسلام غصہ میں لال سب کے سامنے کمبخت بدنصیب سعید پر خفا ہو رہا تھا اور مظلوم بیوی خاموش تھر تھر کانپ رہی تھی،

بات صرف اتنی تھی کہ سعید اپنے چچا زاد بھائی کے نکاح میں خود شوہر کی اجازت سے گئی، سہ پہر کو جب کسی ضرورت سے اسلام نے اس کا بلانا ضروری اور کسی مصلحت سے اس کا وہاں رات کا رہنا مناسب نہ سمجھا تو یہ پرچہ لکھ کر ماما کو دیا،

میں نے اسوقت یہ سمجھ کر کہ میرا کوئی ہرج نہیں تم کو رات کے رہنے کی اجازت دیدی تھی، لیکن بچوں کو وہاں تکلیف ہوگی تم چلی آؤ،

ماما نے یہ پرچہ بجائے سعید کے حمید کے ہاتھ میں دے دیا، حمید کے مزاج سے تو بعید تھا مگر نہ معلوم کیا حرارت آگئی کہ پرچہ دیکھتے ہی تیور بگڑ گئے اور بیوی کو بلا کر کہا۔

آخر ان زیادتیوں کی کوئی انتہا بھی ہی، یہ غضب دیکھتی ہو کہ ابھی بلایا ہے،

بیوی۔ میں کیا بتاؤں،

حمید۔ میں تو نہیں بھیجتا،

بیوی۔ کیوں معاملہ بڑھاتے ہو،

حمید۔ ضرورت ہی،

بیوی۔ مصلحت نہیں،

حمید۔ بس تم خاموش ہو جاؤ،

بیوی۔ اب تو چلا جانے دو،

حمید۔ نہیں ہرگز نہیں،

بیوی۔ پھر کسی موقعہ پر طے کر لینا،

حمید۔ اس سے بہتر موقعہ اور کیا ہوگا،

بیوی۔ تمہاری خوشی،

حمید۔ آخر نکاح کے یہ معنی تو نہیں ہیں کہ بیوی دنیا بھر کے تمام تعلقات منقطع کر دے، ماباپ عزیز اقارب سب ہی کچھ حق رکھتے ہیں،

اتنا کہہ کر حمید نے ماما سے کہا جاؤ کہدو وہ اسوقت نہیں آسکتیں اور بچوں کو کسی قسم کی تکلیف نہ ہوگی، اگر ایسا ہی خیال ہی تو بچوں کو بلا لو،

ماما اگر حرف بحرف اور لفظ بلفظ جا کر کہدیتی تو بھی مضایقہ نہ تھا اس کمبخت نے ایک کی چار اور چار کی ہزار جڑیں اور لگائیں، اب اسلام کو تاب کہاں تھی اور یہ عمر بھر میں پہلا اتفاق تھا کہ بیوی نے نافرمانی کی، جوانی کا نشہ، دولت کا نشہ، وکالت کا نشہ، تین تین نشہ موجود تھے فوراً ڈولی بھیجی اور یہ پرچہ لکھا،

اگر تم اسی وقت نہ آئیں تو میں خود آتا ہوں، یاد رکھو کوئی طاقت میرا ہاتھ نہیں روک سکتی،

سعید پہلے ہی پرچہ پر حواس باختہ ہو چکی تھی اور ماسے کہہ رہی تھی کہ خدا کے واسطے ڈولی منگوا کر بھیجدو ابا جان کو سمجھا دو کہ مرتا اور بھرتا اب ان باتوں میں کیا رکھا ہی۔ یہ پرچہ پہنچا تو ماما کمبخت نے آگ لگانے کو یہ بھی حمید ہی کے ہاتھ

میں دیا، اور اس نے پرچہ پڑھ کر بیوی سے کہا، اب کہو،

بیوی۔ میں تو شروع ہی سے کہہ رہی ہوں کہ بھیجدو،

حمید۔ ذرا اکڑی بنو،

بیوی۔ بہتر یہی ہے کہ بھیجدو،

حمید۔ وہ کر کیا سکتا ہے

بیوی۔ نہ کرسکے،

حمید۔ ڈر کس بات کا ہے،

بیوی۔ کسی بات کا نہیں،

حمید۔ پھر کیوں بھیجدو؟

بیوی۔ اس وقت تو بھیجدو، میں پھر تم سے بحث کرونگی، یہاں شادی کا موقع ہے
کیوں دوسروں کو بھی اپنی وجہ سے بے مزہ کیا،

حمید۔ تم سعید سے پوچھو یہ کیا کہتی ہے،

بیوی۔ اس سے کیا پوچھوں بس جانے دو،

حمید۔ نہیں اس سے دریافت کرو،

بیوی۔ کرلیا،

حمید۔ کیا کہتی ہے،

بیوی۔ یہ ہی جو میں کہہ رہی ہوں،

حمید۔ وہ بھی جانا چاہتی ہے،

بیوی۔ اے ہے بات پوچھتے ہو بات کی جڑ، اپنی تکلیف سے دوسروں کو پریشان
کرنا کہیں خدا نے بتایا ہے،

حمید۔ وہ بھی تو غیر نہیں ہیں۔

بیوی۔ نہیں تم ہٹو میں لڑکی کو ڈولی میں بٹھاؤں

حمید۔ میرے سامنے اسکو بلاؤ میں خود پوچھوں،

بیوی۔ کیا ہوگیا بس جانے دو،

حمید۔ خیر تمہاری خوشی،

غالباً رات کے نو بجے ہونگے جب سعید کی ڈولی گھر میں آکر اتری، وہ میاں کے غصہ اور فضیحتیوں کی تو شروع ہی سے عادی تھی۔ مگر جو مصیبت اس نے آج دیکھی کہ ہاتھ میں بید چہرہ سرخ منہ سے جھاگ وہ اس سے پہلے نہ دیکھی کانپ گئی، گردن جھکائے خاموش کھڑی تھی، اسلام نے ایک بات کی ہو تو بیان کی جائے۔ بوچھاڑ تھی کہ کسی طرح ختم ہی نہ ہوتی تھی، ایک موقعہ پر چند لمحہ خاموش رہ کر اسلام آگے بڑھا اور اس کا ہاتھ جھٹک کر کہا کہ میں دیوانہ ہوں یا کتا جو مجھے بھونکار کھا ہے۔ اب بولتی کیوں نہیں میں بھی تو سنوں کہ کیا کہہ رہی تھی،

سعید۔ ....

جب کسی طرح کوئی جواب نہ ملا تو اسلام نے بید اٹھائی اور کہا نمک حرام تو پٹ کر بولے گی،

اسوقت سعید کے دل کی عجیب کیفیت تھی وہ پٹنے کا یقین کر چکی تھی اور سمجھ رہی تھی کہ جس جسم کو کبھی ماباپ نے پھول کی چھڑی بھی نہیں لگائی آج اسپر بیدیں پڑیں۔ اس کی نگاہ نیچی تھی، اسکی زبان خاموش تھی اور اسلام برابر اسی طرح آگ بگولا ہو رہا تھا۔ یہاں تک کہ گود کی بچی گھبرا کر اٹھی اور بلکنا شروع کیا، سعید کی کیفیت اسوقت صرف دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی، وہ ہر لمحہ جو مار سے محفوظ تھا، غنیمت سمجھ رہی تھی چاہا کہ بچی کو جاکر اٹھالاؤں، مگر رعب کی کیفیت یہ تھی

کہ ایک قدم نہ سرکا سکی اور دل نے کہا کہ اگر ذرا بھی ہلی اور بید پڑی،
بچی روئی تو اس غضب کا سلسلہ شروع تھا کہ ایک دس سنٹ کے عرصہ
میں چاروں بچے جاگ اٹھے۔ اور اب اس کے سوا اسلام کو یارا نہ تھا کہ وہ سب کو
چھوڑ چھاڑ گھر سے باہر نکلے۔ چلا مگر چلتی دفعہ یہ کہتا گیا،
تقدیر ہی اچھی تھی جو اسوقت بچ گئی ورنہ میں تو قصد کر چکا تھا کہ پوری
سزا دوں،

میاں باہر گیا تو بیوی بدنصیب کی جان میں جان آئی بچی کو اٹھا کر
گود میں لیا۔ دودھ پلایا اور الگ کونہ میں بیٹھ اپنی تقدیر کو رونے لگی،

جہاں تک ہم کو معلوم ہی اس قسم کے واقعات سے اسلام اور سعید کی زندگی
کا کوئی ہفتہ خالی نہیں۔ تعجب یہ تھا کہ باوجود سعید ہو جانے کے اسلام کی رنجش کیا
معنی رکھتی تھی، شادی کا چھٹا سال تھا اور سعید کو چھ سات مہینہ کا حمل کہ بیمار
پڑی، ہم کو اس کے ابھی تک تندرست رہنے پر تعجب تھا، وہ اسلام سے اور اسکے
ساتھ ہی اپنی آیندہ زندگی سے قطعاً مایوس ہو چکی تھی اور اب اس منزل میں منزل
مقصود پر پہنچنے کا سان گمان بھی نہ تھا، یہ یقین اسکی حالت جتنی ردی کرتا واجب
تھا مگر خدا معلوم کیسی بے غیرت تھی وہ خود اور اس کی زندگی کہ دنیا کو موت آرہی
تھی لیکن اس کی تقدیر کی موت نہ تھی کہ اس مصیبت سے چھوٹ کر اطمینان کی
نیند سوتی، خدا خدا کر کے اس حمل نے اپنا رنگ دکھایا، اور وہ بخار جس نے اندر ہی
اندر کلیجہ برما دیا تھا پھوٹ پڑا کھانسی شروع ہوئی، بخار آیا اور کھانسی بخار کیساتھ
ہی دست یہ وہ حالت تھی کہ حمید اور اسکی بیوی دونو ماں باپ تڑپ اٹھے مگر ہم دونو
کو سرچا کہتے ہیں کہ کبھی بھول کر بھی ایک لمحہ کے واسطے ان کے دل میں یہ خیال نہ
پیدا ہوا کہ بیٹی کو اپنے گھر بلالیں، شادی کے موقعہ پر محض ایک پرچہ نے جو گل کھلایا،

دونو اس سے اچھی طرح باخبر تھے، اور غالباً یہی وجہ تھی کہ زبان پر نہ لائے۔ اسلام اس اعتبار سے اگر تعریف کا مستحق ہے تو ہوگا کہ اس نے ایک چھوڑ دو دو ڈاکٹر بلا کر مریضہ کی کیفیت بیان کردی، اور ان کا علاج شروع کر دیا، لیکن اس سلسلہ میں یہ کبھی نہیں ہوا کہ وہ تھوڑی دیر کے واسطے بیوی کے پاس جاتا اور اسکی خیریت معلوم کرتا۔ گھر میں جانا اول تو یوں ہی برائے نام تھا اور جب سے بیماری کا سلسلہ شروع ہوا تو اس نے اندر کی آمد و رفت قطعاً بند کردی۔ مہینہ بھر کے قریب ڈاکٹروں کا علاج ہوتا رہا مگر بڑا مرض اندر ہی اندر کھوکھلا کر رہا تھا۔ مطلق افاقہ نہ ہوا۔ اور بالآخر مظلوم سعید کے پاؤں پر ورم آگیا۔ ڈاکٹر اور حکیم تو کیا بچہ بھی سمجھ سکتا تھا کہ اب صحت کی ہر امید منقطع ہوگئی، آج البتہ ڈاکٹروں نے جواب دیدیا اور صاف کہا کہ اب دوا وغیرہ بند کرو،

گرمی تڑاقے کی تو نہیں مگر ہاں شروع ہو چکی تھی، یہ سنتے ہی کہ اب بچنے کی کوئی امید نہیں اسلام نے پہاڑ کا قصد کیا اور اسباب وغیرہ باندھنا شروع کیا، رفتہ رفتہ یہ خبر سعید کے کان میں بھی پہونچی، اس نے دو دفعہ ماما کو بھیجا تین چار مرتبہ بڑے لڑکے سے کہلوایا کہ ایک دفعہ مجھے اپنی صورت دکھاتے جاؤ۔ مگر جب اسلام نے مطلق توجہ نہ کی اور جواب تک نہ دیا تو اسی حالت میں گرتی پڑتی اٹھی اور یہ پرچہ لکھا:-

زندگی کی امید نہیں صرف ایک دفعہ صورت دکھا دو۔ اور قصور معاف کر دو،

ہم نہیں جانتے اسلام کے متعلق کیا رائے قائم کریں، اس نے اس انسان کی التجا جو موت کے منہ میں تھا بیدردی سے ٹھکرا دی، ذرہ بھر پروانہ کی اور رات کو روانہ ہوگیا،

بیمار سعید جسکی آنکھیں دروازہ کو تک رہی تھیں یہ سنتے ہی کہ روانہ ہو گئے
بیہوش ہوئی اور قریب قریب گھنٹہ بھر تک بیہوش پڑی رہی،
یوں تو دنیا میں ایک سے ایک زیادہ تعجب انگیز واقعات پیش آتے رہتے
ہیں اور شب و روز ایسی ایسی باتیں ہو رہی ہیں جن کا سان گمان تک نہیں ہوتا
مگر یہ واقعہ بھی بجائے خود کچھ کم حیرت نہیں رکھتا کہ جب سعید کو حکیم اور ڈاکٹر
کیا دنیا جواب دے چکی تھی اس کے ہاں نواں مہینہ شروع ہوتے ہی بچہ ہوا۔
بچہ پیدا ہوا اور بچہ کی پیدائش پیدائش کیا مرض کا کانٹا اور بیماری
کی پھانس تھی کہ بچہ ہوتے ہی سعید بالکل بھلی چنگی تھی۔ اسلام چلتے وقت وہ
انتظام جو بیوی کے بعد کے تھے سب کر گیا تھا اور اطمینان سے پہاڑ کے مزے
لوٹ رہا تھا کہ یہاں بچہ پیدا ہوا اور ایسا بھاگوان کہ مردہ ماں کو زندہ کر دیا،
صحت کے خط اس کے پاس پہنچے وہ تعجب کرتا کہ معاملہ ہے کیا کبھی وہ
اس اچنبے کو جادو سمجھا، کبھی خطوں کو غلط خیال کیا۔ کبھی چکر میں پڑتا۔ غرض کبھی
بیوی کی صحت کا یقین ہوتا اور کبھی موت کا۔
رات کے نو بجے ہونگے کہ اسلام گھر میں آ کر اترا اور رفع حیرت کیواسطے
اترتے ہی اندر پہونچا تو کیا دیکھتا ہے کہ چاندنی رات میں سعید چاند کے سے
لال کو گود میں لیئے اطمینان سے بیٹھی ماما سے باتیں کر رہی ہے، الٹے پاؤں
واپس آیا اور یہ کہہ کر بیٹھ گیا،
"جسے اللہ رکھے اسے کون چکھے"

(۷)

گرمی زور شور سے پڑ رہی تھی اور گو جولائی کا مہینہ بھی ختم کے قریب تھا
مگر آسمان پر ابر کا دھبہ تک نظر نہ آتا تھا شام کے وقت ایک روز اسلام کچہری سے

آم ہانتا رستہ میں لکھنؤ کے خربوزے بک رہے تھے اور ایسے شیریں کہ قند کو
پرے بٹھائیں۔ اسلام انکی تعریف سن چکا تھا، پانسیر لیکر گاڑی میں رکھ لئے کھانے
کے وقت پیٹ بھر کر کھائے، مگر نہ معلوم ان میں کوئی خاصیت تھی، گرمی تھی کوئی تاثیر
تھی، کھانے میں کچھ اثر تھا کہ ادھر تو ہاتھ دھوئے اور ادھر بخار چڑھا، اسلام بیماری
کا اس قدر کچا اور ڈرپوک تھا کہ سر کا درد اور درد بھی معمولی اس کے ہوش باختہ کر دیتا
تھا، یہ بے موسم کا اور دفعۃً بخار ایسا نہ تھا کہ اسلام خاموش ہو جاتا اسی وقت
ڈاکٹر کو بلایا خود مردانہ میں آکر پلنگ پر لیٹا، چادر اوڑھا مگر سردی ایسی چڑھی
کہ تین تین چار چار لحافوں پر بھی نہ تھمی، ڈاکٹر آیا تو بخار ۱۰۴ سے زیادہ تھا، وہ
رات اسی طرح پڑا رہا تیسرے روز سعیدہ پردہ کر مردانہ میں آئی اور بہ منت کہا کہ
اندر چلے چلو، اسلام کیا جانے والا تھا، بگڑنے لگا، مگر سعیدہ نے صاف کہدیا کہ اگر
تم اندر نہیں چلتے تو میں یہاں تنہا چھوڑ کر نہ جاؤنگی، ہر چند اسلام نے اپنی طرف
سے خفگی اور فضیحتی میں کسر نہ چھوڑی مگر وہ ایک قدم وہاں سے نہ سرکی، اس حالت
میں مجبور مردانہ سے اٹھ اندر زنانہ میں آیا، بخار لحظہ بہ لحظہ تیز ہو رہا تھا اور حالت
ساعت بہ ساعت ردی، ابتدا میں تو چند دوست اور آشنا خیر صلاح کو آتے جاتے
رہے مگر مرض نے جتنی جتنی بدتری کی صورت اختیار کی اتنی ان لوگوں کی آمدرفت
میں بھی کمی ہوتی جاتی کہ وہ ہر وقت کے لنگوٹیے جو دم بھر کو پیچھا نہ چھوڑتے تھے،
اور بڑے لمبے لمبے دعوے کرتے رہتے تھے بھی برائے نام رہ گئے، یہ وہ دوست تھے
جنکا بڑا مقصد صرف ہاں میں ہاں ملانا تھا، اور جب کبھی اسلام نے ان کے سامنے
بیوی کی شکایت کی تو نہ صرف اسکی حالت پر افسوس ہی کر کے خاموش ہو گئے، بلکہ
یہ بھی کہا کہ ایسی بیوی کو بھرنا اور نالایق عورت سے شریفانہ برتاؤ کرنا آپ ہی جیسے
شریف انسان کا کام ہے، شاید یہی وجہ ہوگی کہ اسلام ہمیشہ اپنے متعلق یہ

فخر کرتا رہا کہ اگر میرے سوائے کوئی دوسرا شوہر ہوتا، تو ایسی بیوی کی صورت تکنے کو ترستا
بیماری کی حالت میں اسلام کا اندر آنا مجبوری کھلی ہوئی تھی، کچھ اسلیئے نہیں کہ
بیوی نے یہ کہدیا تھا کہ اگر تم اندر نہ چلوگے تو میں یہاں سے ایک قدم نہ سرکونگی بلکہ
اس لیئے کہ ابتدائی دو راتیں نہایت تکلیف اور پریشانی میں گذریں وہ چاروں پانچوں
دوست جو رات کے بارہ بارہ اور ایک ایک بجے تک ہنستے بولتے رہتے تھے آنکھ
جھپکتے ہی دبے پاؤں سیدھے ہو لیئے۔ نوکر گھنٹہ دو گھنٹہ اور جاگ لیئے، اسلام کی
آنکھ کھلی تو کوئی اتنا بھی نہ تھا کہ دو قطرے پانی کے پلا دیتا دوسری رات اس سے بھی
زیادہ مصیبت کی تھی کہ پانی تو پانی کوئی بات تک پوچھنے والا نہ تھا ان حالات میں
اسلام اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ اگر بیوی نہیں تو گھر کی مامائیں ہی رحم کھا کر مجھ کو پانی
وغیرہ پلا دینگی اور اگر کچھ اور نہیں تو تنہائی میں جی تو نہ گھبرائے گا۔ گھر میں آیا تو اسنے
وہ کیفیت دیکھی کہ دنگ رہ گیا، جس عورت کو پتھر اور جس بیوی کو جانور سمجھتا تھا وہ تو
ہیرے کو مات کر رہی تھی، کیسے نوکر اور کس کی مامائیں، سعید بن داموں کی لونڈی تھا
اسکو رونے اور گڑگڑانے کے سوا کوئی کام ہی نہ تھا، یا میاں کی خدمت میں مصروف
ہے یا خدا کی عبادت میں، یہ عبادت اپنے واسطے نہیں صرف میاں کی صحت کے لیئے
سجدے میں پڑی ہے رو رہی ہے بلبلا رہی ہے اور گڑگڑا رہی ہے، سب سے زیادہ تعجب انگیز
معاملہ جس نے علالت سے زیادہ اسلام کو پریشان اور متعجب کر دیا۔ سعید کا یہ جادو تھا
کہ متواتر سات روز ایک لمحہ کو ایسا نہ ہوا کہ اسلام نے آنکھ کھولی ہو اور بیوی کو آرام کرتے
یا دم لیتے دیکھا ہو، سات دن اور سات رات کا جاگنا آسان بات اور معمولی کام نہیں
نیند وہ جادو ہے جسکے اثر سے پھانسی تک پر آدمی محفوظ نہیں رہ سکتا، مگر قیاس میں
نہیں آتا کہ سعید کی نیند کہاں اُڑ اور کدھر سمٹ گئی اور ایسی اڑی رہتی تھی کہ آنکھ میچنے
اور پلک جھپکنے کا نام بھی نہ لیتی تھی، اسلام بیمار تھا مگر اس کا دماغ بیمار نہ تھا وہ دیکھ رہا تھا

اور سمجھ رہا تھا کہ بیوی کیا چیز ہی۔ اور جب عورت کو میں مصیبت سمجھ رہا تھا وہ کچھ وقعت رکھتی ہی۔ پھر یہ بھی نہیں کہ اسلام کے خوش کرنے یا دنیا کے دکھاوے کو آدھی رات کا وقت ہی بلکہ پچھلا پہر، اسلام بخار میں لوتھ پڑا ہوا ہی، اتفاق سے آنکھ کھلی تو کیا دیکھتا ہے کہ بیوی سجدہ میں سر رکھے خدا کے حضور میں گڑگڑا رہی ہے اور رو رو کر اسکی صحت کے واسطے دعائیں مانگ رہی ہی،

علاج ڈاکٹری تھا اور دوا تین تین گھنٹہ بعد دی جاتی تھی۔ دن تو خیر جس طرح ہوتا گذر جاتا مگر رات کو البتہ دقت تھی۔ لیکن سعیدہ کے استقلال نے اس دقت کو قطعاً محسوس نہ ہونے دیا، اس نے مریض کی پٹی دم بھر کو نہ چھوڑی، ساری رات آنکھوں میں کٹتی، بچہ بچہ پڑکر سو جاتا اور وہ خاموش بیٹھی اس کے چہرہ کو دیکھتی، آنکھوں سے ساون بھادوں کی جھڑیاں برستیں، دل سے طوفان قیامت اٹھتا، اس حالت میں نیند کیسی اور سکون کس کا، دل کو ایسی لگی تھی کہ وقت مقررہ پر ایک لمحہ کا ٹلنا مشکل تھا، یہ تمام کیفیت اسلام نے مرتبہ اپنی آنکھ سے دیکھی اور اب اسکو معلوم ہوا کہ بیوی کیا چیز ہے، اور جن دوستوں اور عزیزوں نے ابتک بار پر رکھا وہ فقط لطف اٹھانے اور مزے لوٹنے والے تھے اب اسلام کے سامنے وہ موقعہ آیا۔ کہ سعیدہ بیمار تھی اور ایسی بیمار کہ جینے کی کوئی امید نہیں، اور میں اس حالت میں اسکو چھوڑ چھاڑ پہاڑ پر چلا گیا تھا یہ ہی نہیں بلکہ اس حالت میں بھی جب اس نے میرے دیکھنے کی خواہش ظاہر کی میں نے اس کا معصوم جذبہ جسمیں خلوص کے سوا کچھ نہ تھا بیدردی سے ٹھکرا دیا اور زندہ بیوی کو اپنی طرف سے مردہ سمجھ بے فکر ہو بیٹھا،

اس قسم کے تخیلات اکثر اسلام کے دماغ میں چکر لگاتے، اس نے ابھی تک زبان سے کچھ نہ کہا مگر اس کا دل اس کا دماغ یہ سماں دیکھ رہا تھا اور وہ دل ہی دل میں اپنی بیدردی پر لعنت بھیج رہا تھا۔ مزاج کی سختی اور بات کی پچ اسے اجازت نہ دیتی

تھی کہ وہ اب بھی کہ موت سامنے تھی بیوی کے سامنے اپنی غلطی کا اقرار اور لغزش
کا اعتراف کرے اس کے دل میں اب یہ خیال پیدا ضرور ہونے لگا تھا کہ سعید
حق رکھتی ہے کہ میں اس کے پاؤں دھو دھو کر پیوں۔ اور میں پچھتا سزادار ہوں لیکن
اگر سعید اتنی قدرت نہیں رکھتی تو خدا کی زبردست طاقت سعید کا بدلہ مجھ سے لے رہی ہے ایسی
ہی حالات میں اس کا دل اور دماغ دونوں چکر کھا رہے تھے کہ ایک روز اس نے دیکھا
کہ سعید اپنے ہاتھ سے اس کا اگالدان صاف کر رہی ہے، یہ ایسا معاملہ نہ تھا
کا اسلام خاموشی سے دیکھ کر ٹال دیتا، سعید کا یہ فعل ایسا تھا کہ اسلام کے ہوش اڑ گئے
اور اب تک جس ضبط کی قوت سے وہ کام لے رہا تھا وہ کمزور ہوئی اور سعید سے کہنے لگا
گیا کرتی ہو بیگم یہ تمہارا کام نہیں"

سعید۔ کیوں میرا کام کیوں نہیں،

اسلام۔ مامائیں موجود ہیں،

سعید۔ میں کیا ماما نہیں ہوں،

اسلام۔ توبہ توبہ ماما سے کہو وہ صاف کر دیگی،

سعید۔ دو دفعہ کہہ چکی ہوں نہیں کرتیں،

اسلام۔ بڑی بی سے کہو،

سعید۔ انہوں نے بھی جواب دیدیا،

اسلام۔ تمہارا کام نہیں تم غضب کر رہی ہو،

سعید۔ بیشک میرا کام ہے۔ میں گھر کی بیگم ہوں اور تمہاری لونڈی،

بخار نے اسلام کو اس قدر کمزور کر دیا تھا کہ وہ اتنی گفتگو بھی مشکل سے کر سکا
سعید کا آخری فقرہ اس قدر موثر تھا کہ اسلام کانپ گیا وہ چاہتا تھا کہ بیوی کے
ان ہاتھوں کو جن سے اگالدان صاف کر رہی تھی، آنکھوں پر رکھوں مگر ہمت

نہ پڑتی تھی اسکی آنکھ سے آنسو نکل پڑے اور اس نے صرف اتنا کہا :۔

"دین و دنیا دونوں میں خوش رہو"

سعیدہ نے میاں کی یہ کیفیت دیکھی اسکی آنکھ سے آنسو نکلتے ہی وہ بیچین ہوگئی ہاتھ دھوئے میاں کے قریب آئی اور کہا :۔

تم اپنا دل کیوں کڑھاتے ہو،

اسلام۔ نہیں میں اپنی پچھلی غلطیوں پر نادم ہوں،

سعیدہ۔ کوئی غلطی نہیں،

اسلام۔ تم مجھ سے ناخوش ہو،

سعیدہ۔ مطلق نہیں،

اسلام۔ کہدینے سے کیا ہوتا ہے، میں خود سمجھتا ہوں،

سعیدہ۔ میں خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ ناخوش نہیں،

اس گفتگو نے اسلام کی حالت پر اور زیادہ اثر کیا وہ خاموش ہو گیا اور اس آخری فقرہ کا کچھ جواب نہ دیا، مگر اسکی آنکھوں سے مسلسل لڑیاں بہہ رہی تھیں،

(۸)

اسلام کی حالت روز بروز ردی ہو رہی تھی، علاج میں کوئی دقیقہ نہ چھوڑا گیا، بیمارداری ایسی ہوئی کہ بہت کم مریضوں کو میسر ہوتی ہے، مگر دماغ کچھ ایسا کمزور ہو گیا تھا کہ بعض دفعہ اسکی باتیں بالکل بے تکی ہو جاتی تھی، گیارھواں روز تھا اور بخار بدستور کہ دماغ زیادہ خراب ہوا اور کامل دو گھنٹہ تک بہکی بہکی باتیں کرنے لگا، یہ حالت دیکھکر سعیدہ اور زیادہ مضطرب ہوئی مگر اس کے سوا کرہی کیا سکتی تھی کہ روئے بلبلائے اور گڑگڑائے، سہ پہر کے وقت ذرا اسلام کی حالت سنبھلی، دماغ کی کیفیت میں جس قدر فرق تھا اگر بخار میں بھی اتنا ہو جاتا تو

بہت اچھا تھا لیکن دماغ صحیح ضرور ہوگیا مگر بخار میں کسی طرح کا فرق نہ تھا۔ ڈاکٹر ولیم کا خیال تھا کہ ساتویں روز اتر جائے گا۔ وہ سات روز گذر گئے پھر آٹھ روز کا میعادی ہوا۔ وہ بھی نہ اترا۔ اب اکیس روز کی رائے تھی مگر بارہویں روز وہ رلنے والے سب رکھی کی رکھی رہ گئی اور اب اسلام کو سرسام ہوا۔

اسوقت دماغ بالکل بیکار تھا نہ وہ سمجھ سکتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے نہ کہہ سکتا تھا کہ کیا کرو۔ زبان البتہ کام کر رہی تھی اور بہ ظاہر آنکھیں بھی کھلی ہوئی تھیں، مگر جو فقرہ زبان سے نکلتا تھا وہ اوندھا، سعید سوال کرتی تھی مگر کسی بات کا جواب ٹھیک نہ ملتا تھا، دو روز یہ کیفیت طاری رہی اور تیسرے روز زبان بھی بند ہوگئی۔ اب البتہ سعید کے ہوش اڑ گئے، اور اسکو شوہر کی طرف سے بالکل مایوسی ہوگئی، چار روز اسی حالت میں بسر ہوئے اور پانچویں روز اسلام کی موت نے بد نصیب سعید کو بیوگی کا برقع اڑھا دیا ٭

(۹)

اس انقلاب نے سعید کی حالت پر کیا اثر کیا اس کا اندازہ صرف اس سے ہو سکتا ہے کہ رات دن وہ تھی اور رونا، تینوں بچے ساتھ تھے بڑا لڑکا حاتم آٹھویں سال میں منجھلی لڑکی شمسہ پانچویں اور چھوٹا بچہ انعام تیسرے سال میں، ان تین بچوں کی پرورش بہ ظاہر سعید کے دل بہلاؤ کا اچھا مشغلہ تھا، مگر بد بخت اسلام (خدا غریق رحمت کرے) جہاں دل کا کھٹن تھا وہاں طبیعت کا بھی، اتنا غنی کہ کبھی اپنی کوئی ضرورت اٹکی نہ رہنے دی، جائداد بکے، ہزار کا مال سو میں جائے مگر ضرورت پوری ہو اسنے اپنی عمر میں کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلایا، کسی کا احسان قطعی نہ اٹھایا لیکن زندہ رہتا تو تعجب نہیں کہ وقت اس کے سب بل نکال دیتا اور ہزار کیا ہزار پیسوں بلکہ ایک پیسہ کے واسطے اسکو دوسرے کا زیر بار احسان ہونا پڑتا۔ مرا تو صرف بارہ ہزار کی دو

دکانیں موجود تھیں، وہ بھی دس ہزار بدلے رہن، اور دو سال کا سود چڑھا ہوا۔ سعید بیوہ ہوئی تو سوا اُس زیور کے جو اسکی اپنی ملکیت اور میکے کا جہیز تھا باقی ایک کوڑی بھی اس کے پاس نہ تھی، رہنے کا مکان باوجود اس طمطراق اور دھوم دھام کے کرایہ کا تھا، اور کرایہ بھی معمولی نہیں چالیس روپیہ ماہوار، اب سعید کا اس میں رہنا اور کرایہ ادا کرنا بہت مشکل تھا، یہ بھی غنیمت تھا کہ ما اور باپ دونوں زندہ تھے، ورنہ اور مٹی پلید ہوتی، مکان چھوڑ بچوں کو ساتھ لے میکے میں آئی، مگر اتفاق یہ ہوا کہ شوہر کو مرے شاید چوتھا مہینہ تھا کہ ما بھی دنیا سے رخصت ہوئی،

سعید کا باپ اسوقت پھونس تو نہیں مگر خاصا بڑھا آدمی تھا اور ہر شخص کو اسکی موت سامنے دکھائی دے رہی تھی مگر وقت نے اسکی عقل پر ایسے پردے ڈال دیئے تھے کہ وہ خود اندھا تھا اور اس چیز کو جو ہر آنکھ دیکھ سکتی تھی، وہ مطلق نہ دیکھ سکتا تھا، دوسرے نکاح کا قصد تھا، مگر اس قصد کی تکمیل میں سب سے بڑی وجہ سعید کی موجودگی حارج تھی اور یہ موجودگی اسوقت تک رفع نہ ہوسکتی تھی، جب تک کہ سعید کا نکاح ثانی نہ ہو یا وہ مر نہ جائے، موت سعید کے اپنے بس کی تھی نہ باپ کی، ابسلے دیکر ایک نکاح ثانی رہ گیا یہ بھی آسانی سے ممکن نہ تھا گو سعید باعتبار عمر ضرور یہ حق رکھتی تھی کہ اس کا نکاح کر دیا جائے مگر ایک نہیں تین تین بچے ساتھ تھے، اور انکی پرورش میں ایک غیر شخص کی شرکت مشکل سے ممکن تھی،

باپ اپنے نکاح کے واسطے اس قدر بیتاب تھا کہ اگر اس کا بس چلتا تو کسی رستہ چلتے سے نکاح کر بیٹی کا پاپ کاٹتا۔ مگر بڑی خرابی یہ تھی کہ اس معاملہ کے متعلق اسکو بیٹی کے خیالات کا مطلق علم نہ تھا، گھر میں کوئی عورت اس قابل نہ تھی کہ اسکے خیالات کا اندازہ کرسکتی اسلیئے مجبوراً ایک روز خود ہی اس نے بیٹی سے اس طرح گفتگو کی :۔

"کیا کروں تم پر جو مصیبت آکر پڑی ہے اس کا اندازہ تم کر سکتی ہو یا میں ہر چند سوچتا ہوں کہ کوئی اللہ کا بندہ ایسا مل جائے جو غریب ہی ہو اور اگر زیادہ نہیں تو اتنا ہی کہ اپنا اور تمہارا پیٹ بھر سکے، مگر وقت اتنا نازک ہے کہ کواری لونڈی کو کوئی نہیں پوچھتا"

سعید باپ کی یہ گفتگو سنکر سناٹے میں رہ گئی اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں آسکتی تھی کہ مجھے دنیا میں اب پھر بیوی بننا ہے۔ اس نے ایک نظر باپ کے چہرہ پر ڈالی اور خاموش ہو گئی،

باپ کا مقصد اس گفتگو سے صرف بات کان میں ڈالنی تھی وہ ہو گیا اور وہ اپنے دل میں نہایت شاد و بشاش باہر چلا گیا۔ اور یہ فیصلہ کر چکا کہ بہت جلد اس کا نکاح کر دونگا،

سعید باپ کے جانے کے بعد گم سم کھڑی کی کھڑی رہ گئی اس کا بس چلتا تو زمین میں گڑ جاتی، باپ چلا گیا مگر وہ گھنٹوں بیٹھی روتی رہی، سوچتی رہی کہ آخر اب کیا کروں، یہ منہ اب اس قابل نہیں کہ باپ کو دکھا سکوں، دن بھر کونہ میں پڑی روئی اور کوئی صورت کامیابی کی نظر نہ آئی، میکہ اور سسرال ننھیال اور ددھیال جدھر نظر ڈالتی تھی ایک متنفس بھی ایسا نظر نہ آتا تھا کہ اس مصیبت میں مدد دیتا، اور بد نصیب کا ہاتھ بٹاتا، سوچتے سوچتے خیال آیا کہ اماں کی خالہ زاد بہن خالہ کلثوم بیگم البتہ زندہ ہیں وہ شاید کچھ مدد دے سکیں، ڈوبتے کو تنکے کا سہارا بہت ہوتا ہے، خالہ کلثوم کا خیال آتے ہی قلب کی گرتی ہوئی دیوار کو ایک اڑواڑ لگ گئی، اور ارادہ کیا کہ ڈولی منگوا ان کے پاس پہنچوں، اٹھی اور بڑے لڑکے سے کہا جاؤ ڈولی لادو، مگر ابھی لڑکا نکلا بھی نہ تھا کہ آگے آگے باپ اور پیچھے پیچھے خالہ کلثوم چلے آرہے تھے،

خالہ کو دیکھ کر سعید کی جان میں جان آگئی، اس کم بخت کو کیا معلوم کہ باپ نے ایسا سمجھا بجھا دیا ہی کہ اب اسپر سعید کا کوئی منتر کارگر نہیں ہو سکیگا، باپ تو آنکھ بچا کر باہر گیا، اور خالہ نے کہا،

بیٹی تم خاموش کیوں ہو گئیں، آخر نکاح تو کرنا ہی ہو ابھی عمر ہی کیا ہی باپ کی آنکھ بند ہو گئی تو کس کی دہلیز پر بیٹھو گی،

سعید۔ خدا کے واسطے میرے زخموں پر نمک نہ چھڑکیے،

خالہ۔ ارے بیٹی سب یوں ہی کہا کرتے ہیں،

سعید۔ جی نہیں میں سچ عرض کرتی ہوں،

خالہ۔ لڑکی عقل کے ناخن لے۔ بچوں کا ساتھ، خالی ہاتھ جوان عمر نکاح نہ ہوگا تو اور کیا ہوگا،

سعید۔ بھیک مانگونگی، سلائی کرونگی، پسائی پیسونگی،

خالہ۔ ارے بوی ان باتوں میں کیا رکھا ہے،

سعید۔ جب میں خود رضا مند نہیں تو کوئی زبردستی ہی،

خالہ۔ تو کیا ابا دشمن ہیں؟

سعید۔ ہاں یہ تو دشمنی ہے،

خالہ۔ یہ دشمنی نہیں دوستی ہی،

سعید۔ مجھے ایسی دوستی کی ضرورت نہیں،

خالہ۔ ایسا کونسا کٹر باپ ہوگا جو جان بوجھکر اولاد کو مصیبت میں چھوڑ جائے،

سعید۔ خالہ اماں آپ کیا فرما رہی ہیں،

خالہ۔ درست کہہ رہی ہوں، ٹھیک کہہ رہی ہوں،

سعید۔ خالہ جان للہ رحم کیجیے،

خالہ۔ سعید تم دیوانی ہو،

سعید۔ آپ مجھے دیوانہ ہی سمجھیے،

خالہ۔ میں تمہاری دشمن نہیں ہوں،

سعید۔ عرض تو کر رہی ہوں معاف کیجیے،

خالہ۔ سمجھو تو سہی ان بچوں کو کہاں سے پالوگی،

سعید۔ عرض تو کر چکی کہ سلائی سیونگی، بھیک مانگونگی،

خالہ۔ باپ دادا کی ناک کاٹوگی،

سعید۔ جو کچھ بھی ہو مگر نکاح نہ کرونگی،

خالہ۔ نکاح کرنا پڑے گا،

سعید۔ جی نہیں ہرگز نہ ہوگا،

خالہ۔ ہوگا کیسے نہیں،

سعید۔ زہر کھالونگی،

خالہ۔ بچوں کا کیا حشر ہوگا،

سعید۔ ان کا صبر آپ پر پڑے گا،

خالہ۔ نکاح ایسی بری چیز ہے۔ پھر پہلا کیوں کیا،

سعید۔ اسوقت دنیا کرتی ہے،

خالہ۔ ہاں تو اب بھی دنیا کرتی ہو،

سعید۔ خالہ جان ان باتوں سے کیا فائدہ،

خالہ۔ بیٹی تو سچ ہی سمجھ نہیں سکتی،

سعید۔ جی نہیں میں سب سمجھتی ہوں،

خالہ۔ جس نے نہ مانی بڑوں کی سیکھ اس نے ٹھیکرا لے کر مانگی بھیک،

سعید۔ للہ خالہ جان مجھ پر رحم کیجئے،

خالہ۔ بیٹی تو ہی اپنی حالت پر رحم کر،

سعید۔ ہائے اللہ میں کیا کروں،

خالہ۔ بیوی خود ہی سمجھ کچا ساتھ خالی ہاتھ یہ عمر گذریگی کیونکر،

سعید۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

خالہ۔ ایک وارث تو سر پر کھڑا ہو جائے گا،

سعید۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

خالہ۔ باپ کا کیا ہے وہ تو پچے پان ہیں، انکا کیا بھروسہ،

سعید۔ میری تو عقل کام نہیں کرتی،

خالہ۔ دوسروں کی عقل سے کام لو، ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں،

سعید۔ جی نہیں دشمن تو میں بھی نہیں سمجھتی،

خالہ۔ پھر ہم بہتر ہی سمجھ رہے ہیں جو کچھ رہے ہیں،

باپ جو اب تک خاموش کھڑا بیٹی کا غصہ تحمل سے ڈیوڑھی میں کھڑا سن رہا تھا یہ دیکھ کر کہ اس قدر بحث اور گفتگو کے بعد سعید ذرا ہلکی پڑی مطمئن ہوا اور آگے بڑھ کر سامنے آیا اور کہنے لگا،

بھلا بوا آپ خود خیال کیجئے کیسی بیوقوف لڑکی ہے ہم اس کے دشمن ہیں جو اس کے ساتھ برا سلوک کریں گے، موقعہ اور مصلحت ہی یہ ہے۔ میں قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھا ہوں، زندگی کا بھروسہ نہیں. میرے بعد کوئی اتنا بھی نہیں کہ دو پیسہ کا دودھ بازار سے لادے. ایک وارث تو سر پر ہوگا،

سعید۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

خالہ۔ ارے بیٹی سچ ہے ڈرتی ہو کہ خبر نہیں کس سے سابقہ پڑے،

باپ۔ تو ہم کیا آنکھوں کے اندھے ہیں کہ دھوکا دیدینگے،

خالہ۔ دودھ کا جلا چھاچ کو پھونک کر پیتا ہے،

باپ۔ ہاں تو اب اچھی طرح اطمینان کیوں نہ کرینگے،

خالہ۔ نہیں تم بے فکر رہو یہ کیا تمہارے حکم سے باہر ہی،

باپ میرا حکم کیا ان ہی کیواسطے ہی (مگر) ساری رات اسی ادھیڑ بن میں گزر جاتی ہی،

خالہ۔ تم اپنا دل کیوں بھاری کرتے ہو،

باپ۔ میں تو ذرا جا رہا ہوں، بڑے بچہ کا ٹوپ لے آؤں،

خالہ۔ اچھا،

باپ اٹھکر باہر گیا تو سعید نے کہا:۔

"اچھی خالہ جان میری تو روح فنا ہوتی ہی، مجھے تو معاف ہی کرو،

خالہ۔ بیوی تو بھی سچی ہی وہ بھی سچے ہیں،

سعید۔ اب تو آپ اس معاملہ پر خاک ہی ڈالیئے،

خالہ۔ بچوں کی سی باتیں نہ کر پانچوں انگلیاں ایکساں نہیں سب ہی مرد اسلام جیسے نہیں ہیں

سعید۔ کیا کہوں کچھ کہہ نہیں سکتی،

خالہ۔ بس کہنا سننا کچھ نہیں مصلحت یہی ہی،

سعید۔ .... ٹھنڈا سانس،

خالہ۔ خدا پر بھروسہ کرو،

سعید۔ جی ہاں ....

خالہ۔ وہی بیڑا پار کرے گا،

سعید۔ میری تو عقل چکرا رہی ہے،

(۱۰)

بڑے میاں کی شادی کسی غیر جگہ نہیں، ان ہی خالہ کلثوم سے قرار پائی تھی، جو ایک بچہ کی بھی ماں نہ تھیں، سعید کے کیا کنبہ کے کسی مرد یا عورت کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ آ سکتی تھی کہ سعید کے نکاح ثانی کی تہ میں یہ نکاح ہے، بڑے میاں دن رات اسی چکر میں تھے کہ کسی راستہ چلتے کا ہاتھ پکڑ اسکے سر بیٹی چیپک دو لہا بنیں، مگر جس طرف نظر ڈالتے تھے مایوسی ہی مایوسی نظر آتی تھی، یوں کنبہ میں کوارے لڑکے تین چار اور موجود تھے اور گو سعید بچیوں کی ماتھی مگر ان سے عمر میں چھوٹی، لیکن کس کو غرض پڑی تھی کہ دولت جہیز چھوڑ چھاڑ ایسی غریب سے نکاح کرتے، رہے رنڈوے ان کے خیالات کواروں سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ الغرض بڑے میاں اور بی خالہ ہر وقت ادھیڑ بن میں تھے۔ مگر کامیابی نہ ہوتی تھی، مجبور بڑے میاں نے یہ طے کیا کہ لڑکی کی وجہ سے میں کیوں دیر کی میں اپنا نکاح کر جھگڑا چکاؤں، اس کا ہوتا رہیگا۔ مگر خالہ سمجھدار تھی، اور جہاں دیدہ دور اندیش تھی اس رائے سے متفق نہ ہوئی اور تاڑ گئی کہ اگر سعید کا نکاح نہ ہوا تو یہ بلا اور اسکی ذریات عمر بھر کو پیچھے چمٹی، مجھ کو جو مقصد نکاح سے پورا کرنا ہے وہ ہوگا نہیں اور جب میرا نکاح پہلے ہو گیا تو پھر باپ کو ضرورت ہوگی، نہ سعید رضامند اسلئے اس نے بڑے میاں سے صاف انکار کر دیا۔ اس انکار نے بڑے میاں کو بہت سست کیا مگر سوچتے سوچتے ان کے دل میں رات کو سوتے وقت کوئی گیارہ بجے کے قریب یہ بات پیدا ہوئی کہ احمد علی کارخاندار کی بیوی چھ بچے چھوڑ مری ہے وہ نکاح کرنے کو کہتے تھے، بڈھے آدمی ہیں آسانی سے کام بن جائیگا یہ خیال آتے ہی نیند تو چکر ہوئی اور بے چینی ایسی بڑھی کہ اسی وقت اچکن پہن سیدھے اٹھ کارخاندار کو جا آواز دی،

آدھی رات کا وقت جاڑے کا موسم مہاوٹوں کے دن بجلی بھی کڑک رہی تھی
احمد علی غریب ڈر گیا، کہ یہ کیا مصیبت آئی، کنڈی کھولی تو حضرت، گھبرا کر پوچھا
جناب خیر تو ہے،
بڑے میاں۔ جی ہاں اللہ کا شکر ہے،
کارخاندار۔ پھر اس وقت کیسے تکلیف فرمائی،
بڑے میاں۔ تمہارے ہی کام کو آیا ہوں،
کارخاندار۔ اس وقت،
بڑے میاں۔ جی ہاں،
کارخاندار۔ فرمایئے،
بڑے میاں۔ تم نے مجھ سے نکاح کے متعلق کہا تھا اسکی سبیل ہو گئی ہے،
کارخاندار۔ عذر تو مجھے کچھ نہیں ہے مگر لڑکی کنواری ہو تو بہت اچھا ہے،
بڑے میاں۔ جی نہیں کنواری تو نہیں ہے،
کارخاندار۔ یہ دقت ہے جناب،
بڑے میاں۔ مگر تم سوچو تو سہی یہ تمہاری ہماری عمر کنواری سے نکاح کرنیکی ہے،
کارخاندار۔ جناب اپنی اپنی سمجھ ہے،
بڑے میاں۔ بھائی تو کنواری تو مشکل سے ملیگی،
کارخاندار۔ اجی حضرت خدا کا نام لیجئے، کئی پیغام آ چکے ہیں،
بڑے میاں۔ پھر دیر کاہے کی ہے،
کارخاندار۔ ذرا غریب آدمی ہیں، اور میں چاہتا ہوں کھاتے پیتے ہوں،
بڑے میاں۔ بھائی تو معاف کرنا ایسے آپ ہیں کیا لال لگے ہوئے ہیں کم کنواری بھی ہو مالدار بھی،
کارخاندار۔ تم دیکھ لینا۔ لیمہ میں اللہ چاہے آؤ ہی گے،

بڑے میاں - خیر جیسی اللہ کی مرضی،
کارخاندار - آپ اتنا پتا تو بتایئے کس کی لڑکی ہے،
بڑے میاں - بس جانے دیجئے،
کارخاندار - ارے میاں آدھی رات کو تکلیف کی ہے تو پتہ تو بتاؤ،
بڑے میاں - جب تم کو کرنا ہی نہیں تو پوچھنا کیسا،
کارخاندار - کون خاندان ہے،
بڑے میاں - شریفوں کا خاندان ہے،
کارخاندار - کون لوگ ہیں،
بڑے میاں - بھلے مانس ہیں،
کارخاندار - عمر کتنی ہوگی لڑکی کی،
بڑے میاں - کوئی چھبیس برس کی؛
کارخاندار - بچہ وچہ تو نہیں ہے،
بڑے میاں - ہیں تو سہی،
کارخاندار - نہیں جناب میرے بس کا روگ نہیں، کے بچے ہیں،
بڑے میاں - تین ہیں شاید،
کارخاندار - واہ جناب چھ تو یہ تین وہ نو ہو گئے، میری تو تبڑی بٹ جائے گی،
بڑے میاں - رازق تو اللہ ہے۔
کارخاندار - یہ صحیح ہے مگر ہمت نہیں پڑتی،
بڑے میاں - جانے دو۔
کارخاندار - صورت شکل کیسی ہے،
بڑے میاں - بس آدمی کا بچہ ہے؛

کارخاندار۔ حضرت عمر نہیں شکل نہیں روپیہ نہیں پھر کیا ہے؟

بڑے میاں۔ بھائی تو زبردستی ہوتی ہے، تم نے ایک بات کہی تھی، کان میں پڑی ہوئی تھی اسوقت ایک موقع ملا میں نے کہا چلو میں کہدوں،

کارخاندار۔ موقع تو ایک چھوڑ دو دو ہیں شکل صورت بھی روپیہ پیسہ بھی، اور دونوں کواریاں مگر اتنی سی بات ہے کہ ایک کی آنکھ میں پھلی ہے اور دوسری سیتلا سے داغ،

بڑے میاں۔ اچھا بھئی تو جاتے ہیں،

کارخاندار۔ پان تو کھائیے میں لاتا ہوں،

بڑے میاں۔ نہیں بس اب رہنے دو،

کارخاندار۔ اچھا یہ تو بتاؤ لڑکی پڑھی لکھی تو نہیں ہے،

بڑے میاں۔ پڑھی لکھی تو ہے،

کارخاندار۔ بس تو حضرت نورٌ علی نور ہے،

بڑے میاں۔ سلام علیکم،

کارخاندار۔ ٹھیرو پان کھاتے جاؤ،

بڑے میاں۔ نہیں بس جانے دو،

کارخاندار۔ واہ میں ابھی لایا،

بڑے میاں۔ نہیں نہیں بس جانے دو،

کارخاندار۔ خاندان تو بتاؤ کونسا ہے،

بڑے میاں۔ کہہ تو رہا ہوں شریفوں کا ہے،

کارخاندار۔ بھائی تم سمجھو تو سہی اول تو یہ مشینیں ایسی نکلی ہیں کہ سب کام چوپٹ ہو گئے بارہ مہینہ کا مندا دوسرے کاریگروں کے دماغ آسمان پر پہونچگئے، روپیہ سوا روپیہ روز کا خرچ تو اب ہے اور آمدنی کا یہ حال ہے کہ مشکل سے دھیلی بارہ آنے کے پیسے بچتے ہونگے،

اس کا خرچ اور بڑھے گا۔ اگر مرنے بھرنے والی ہوئی تو خیر تنگی ترشی گذر جائے گی لیکن جو کہیں ہوئی چلبلی ہوئی تو اور مصیبت ہوگی۔

بڑے میاں۔ تو میں تمہارا دشمن تو نہیں ہوں،

کارخاندار۔ آپ نے اطمینان کرلیا۔

بڑے میاں۔ جب آدھی رات کو آیا ہوں،

کارخاندار۔ خیر تو میں حاضر ہوں بسم اللہ کرو،

بڑے میاں۔ اچھا۔ سلام علیکم۔

(۱۱)

شام ہو چکی تھی اور سعید اپنے تینوں بچوں کو لئے خاموش ایک کمرہ میں بیٹھی کسی خیال میں غرق تھی، سوچتے سوچتے نہ معلوم وہ کس نتیجہ پر پہونچی کہ اسکی آنکھ سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ اور اس نے بآواز بلند کہا:۔

یقیناً میرے ساتھ ظلم ہو رہا ہے اور وہ ظلم جو تعجب نہیں میری عمر برباد کردے خبر نہیں کیسا شخص ہو کس مزاج کا آدمی ہو۔ لاکھ نیک ہو مگر پرائے بچوں کو محبت سے دیکھنا مشکل ہے۔ کیا کرونگی کیا ہوگا، یا اللہ کیسی مصیبت میں پھنسی میرے تو گمان میں بھی نکاح نہ تھا یہ کیا ہو رہا ہے۔

سعید ان ہی خیالات میں غلطاں و پیچاں تھی کہ بڑے لڑکے نے کھانا مانگا اٹھی اسکو لاکر کھانا دیا اور پھر گم سم بیٹھ گئی،

بیوہ کے نکاح سے اختلاف ہمکو کیا کسی مسلمان کو نہیں ہوسکتا بالخصوص اس حال میں کہ عمر زیادہ نہ ہو مگر اس باپ نے جس وجہ سے نکاح ضروری سمجھا وہ ایسی کمزور اس قدر لغو ہے کہ یہ محبت نہیں عداوت، اور کرم نہیں ستم تھا۔ لڑکی کا پہلا نکاح جس قدر اہمیت رکھتا تھا وہ سرا بھی اس سے کم نہ تھا۔ جس طرح اسمیں تمام عمر کا

انحصار اسی تعلق پر تھا اسی طرح اسمیں لبتہ عمر کا ضرورت تھی کہ جس غور و خوض سے جس فکر و کوشش سے جس تک ودو سے پہلا نکاح کیا تھا ایسی توجہ اور غور سے دوسرا بھی ہوتا مگر یہاں تو ظالم باپ اپنے نکاح کے واسطے چھدا اوتار رہا تھا اسکو سب سے پہلے یہ سمجھنا اور غور کرنا تھا کہ اس کے ساتھ جو تین بچے ہیں ان کی پرورش کا کیا سامان ہوگا۔ زمانہ اتنا نازک اور وقت ایسا ٹیڑھا ہے کہ انسانیت اور ہمدردی مسلمانوں میں بالکل ہی کم ہوگئی اور ایسا شخص جو پرائے بچوں کو اپنے برابر سمجھے آدمی نہیں فرشتہ ہے۔ اگر نکاح کرتا تو پہلے بچوں کی پرورش کا سامان کرتا یہ صحیح کہ مرنے والا باپ اتنا دوراندیش نہ تھا کہ معصوم بچوں کے واسطے کچھ اثاثہ چھوڑتا لیکن اب جو حالات تھے نظر انداز ہونے کے قابل نہ تھے۔ دادی نانی خالہ پھوپی کوئی نہ تھی جو بچوں کی پرورش کرتا مگر سب سے پہلی شرط سب سے پہلا اقرار سب سے ضروری معاہدہ یہ ہونا لازم تھا کہ بیوہ تین بچوں کی ماں ہے اور اس نکاح کا منشا ان بچوں کی پرورش ہے۔

نکاحِ بیوگان اسلام کا فیصلہ ناطق ہے۔ ہم نے خود اس سلسلہ میں ایک کتاب لکھی لیکن نہ تو اسلام کا مقصد یہ ہے نہ ہمارا کہ سعید کی طرح بیوہ کا نکاح کرکے بیوہ عورت اور معصوم بچونکی مٹی پلید کی جائے۔

آج سے پچاس برس پہلے مسلمانوں میں بیوہ کا نکاح اکثر خاندانوں میں عیب سمجھا جاتا تھا۔ لیکن وہ لوگ پردہ کے بھی سختی سے پابند تھے اور بیوہ کو ایسا موقعہ کم ملتا تھا کہ اس کے جذبات ابھریں اور امنگیں پیدا ہوں۔ حاشا وکلا اسکا منشا یہ نہیں کہ ان کا یہ تمدن قابل پسندیدگی تھا بحث صرف اس سے ہے کہ گو یہ ایک قسم کا ظلم ضرور تھا مگر عصمت پر حرف نہ آنے پاتا تھا۔ اور برسوں مہینوں کی نہیں دنوں کی بلکہ ایک ایک دو دو دن کی بیاہیاں رانڈیں ہوکر قبروں میں پہنچ جاتی

تھیں مگر ان کا دامن ہر وہم سے پاک رہتا تھا اب کہ مسلمانوں کا تمدن ان کے طریقہ ان کی عادتیں ہر چیز ترقی کر رہی ہے۔ پردہ کی مخالفت زور شور سے ہو رہی ہے بیوہ عورت کے واسطے آزادی کے مواقع میسر آنا سم قاتل ہے اور ضرورت ہے کہ حکم الٰہی کی تعمیل پوری کی جائے۔ مگر ضرورت ہے کہ سب سے پہلے بیوہ کی عمر پر نظر ڈالی جائے۔

اگر عمر نکاح ثانی کی متقاضی ہو تو جس طرح نکاح اول میں اسکا مشورہ مقدم تھا اسی طرح نکاح ثانی میں اسکے خیالات کا اندازہ پہلے موقع پر رائے کے معلوم کرنے میں وقت ہو۔ مگر دوسرے موقع پر مطلق دقت نہیں اس طرف سے اطمینان ہونے کے بعد یہ دیکھنا ہے کہ بیوہ کے بچوں کی ماہے اور اگر اس معاہدہ پر کوئی شخص مستعد ہو کہ وہ نکاح کے بعد نہ صرف بیوہ کی ضروریات کا کفیل ہوگا بلکہ تمیز ہونے تک یتیم بچوں کی بھی پرداخت و پرورش کرے گا۔ تو اس سے نکاح کرنا چاہیے۔ لیکن مرنے والا باپ اگر کچھ اثاثہ چھوڑ گیا ہے تو ضرور ہے کہ باپ یا ماں کے عزیز بچوں کی پرورش اپنے ذمہ لیں۔ اور کار ثواب سمجھ کر اپنے بچوں کی طرح پالیں۔

سعید کا دوسرا نکاح نکاح ہی نہ تھا۔ باپ کے ظلم کا نتیجہ تھا اور نکاح جس کے نام سے سعید کانپ رہی تھی نکاح نہیں نکاح بالجبر تھا بدنصیبی یہ تھی کہ بدنصیب کے عزیز و اقارب میں بھی کوئی اتنا نہ تھا کہ ظالم باپ سے جدا ہو کر پناہ دیتا یہ درست ہے کہ بڑے میاں اپنی طرف سے بیوی کے ساتھ ہی بیٹی کو بھی قبر میں سلا چکے تھے اور اب سعید کا ہر لمحہ ان کے عیش پیری میں حائل تھا۔ مگر انسانیت بھی ایک چیز تھی۔ بھولی بھالی لڑکی پہ یہ بلائے بے درماں وہ ستم تھا جس کی تلافی کسی طرح ممکن نہ تھی اور اس ظلم کی تہ میں اپنے بڑھاپے کے چند روز صرف بڑے میاں کی رائے میں اچھے گذر جانے کے اور کچھ نہ تھا۔ لیکن ضرورت یہ تھی کہ بڑے صاحب

اگر مرنے والی بیوی کے ساتھ اسکی اولاد کے حقوق بھی دفن کر چکے تھے تو اتنا
تو سوچ لیتے کہ میرے اپنے نکاح کے بعد جو اولاد ہوگی اور جسکو میں بغیر کسی اثاثہ
کے پانچ پانچ چار چار برس کا چھوڑ کر مروں گا اسکی پرورش کون کرے گا،

(۱۲)

صبح کے دس بجے ہونگے سعید چپ چاپ ایک ٹوٹی سی چارپائی پر دل
ہی دل میں اپنی مصیبت پر رو رہی تھی کہ خالہ جو تین چار دن سے اس مرحلہ کو طے
کرنے کے واسطے مقیم تھیں ہنستی ہوئی آئیں اور کہا۔

"بیٹی چپکی چپکی کیوں بیٹھی ہے۔

سعید۔ جی کچھ نہیں،

خالہ۔ آخر۔

سعید۔ یہ ہی دنیا کے جھگڑے اور کیا۔

خالہ۔ خدا کا شکر ہے رنج کے دن کٹ گئے۔ اب عمر بھر راج کرنا۔

خالہ نے خیال کیا تھا یا متوقع تھیں کہ فقرہ سعید کو نہال نہال کر دے گا۔
مگر یہ الفاظ بجلی کی طرح اس کے دل پر گرے وہ چونک کر کہنے لگی۔

آپ مجھے کیوں چھیڑتی ہیں میں تو آپ کی بچہ ہوں،

خالہ۔ اے ہے سعید نوج میں کیوں چھیڑنے لگی۔ سچی بات کہہ رہی ہوں، لڑکا بھی
اللہ کا شکر ہے ایسا ہیرا ملا ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ خوش رہو گی،

سعید۔ یہ آپ کیا فرما رہی ہیں۔

خالہ۔ اب فرمانے ورمانے کو رہنے دو۔ آج دن بھی اچھا ہے جمعرات عصر مغرب میں
انشاء اللہ نکاح ہو جائے گا۔ ڈھنگ کے لڑکے ملتے کہاں ہیں؟

سعید۔ اگر ابا جان فیصلہ ہی کر چکے ہیں تو خیر انکی خوشی۔ مگر ایسی جلدی کی کیا ضرورت ہے

میں اپنے کھانے پینے کا انتظام الگ کر لونگی۔ میرا خرچ اُن پر نہ پڑے گا۔
خالہ۔ نہیں حرج کی کیا بات ہے۔ مگر موقعہ ہی یہ ہے۔ لڑکا کل حیدرآباد چلا جائیگا۔
مجبور سعید کے پاس اس کا جواب کیا ہو سکتا تھا وہ دیکھ رہی تھی کہ باپ بھی سامنے کھڑا ہے مگر اسوقت اسکی حالت ایسی ابتر ہوئی کہ کھڑی ہوئی خالہ کے آگے ہاتھ جوڑے اور کہا:۔

"خدا کے واسطے رحم کرو۔"

خالہ اسکے جواب میں ہنسی اور کہنے لگی تو بچہ ہے ڈرتی ہے۔ گھبرا نہیں اللہ چاہے تو عیش کرے گی۔
اب سعید خاموش تھی۔ اسکی حالت کیا تھی، اسکے دل پر کیا گذر رہی تھی اسکا اندازہ خود ہو سکتا ہے۔ عصر کے وقت کارخاندار سے نکاح ہوا اور سعید اپنے بچوں سمیت باپ کے گھر سے نکل کارخاندار کے ہاں پہنچیں۔
ادھر سعید رخصت ہوئی اُدھر بڑے میاں دولہا بنے اور اسی قاضی نے جس نے سعید کا نکاح پڑھایا تھا۔ ان کا نکاح بھی پڑھا دیا،

(۱۳)

کارخاندار کہنے کو تو کام پیشہ ہے مگر لڑکا چھچھورا نہیں تجربہ کار آدمی ہے۔ سعید خوش رہے گی۔
بیوی۔ بڑی مشکل سے قبضہ میں آئی ہے۔ کیسے کیسے اتار چڑھاؤ دے ہیں کس طرح راضی نہ ہوتی تھی۔
بڑے میاں۔ پہلے شوہر سے ڈری ہوئی ہے۔
بیوی۔ آج ساتواں روز ہے بلاؤ یا تم جاؤ۔
بڑے میاں۔ ابھی نہیں خدا اس کا دل وہاں لگ جائے۔

بیوی۔ خبر تو لینی چاہیئے وہاں کیا گذری۔ ہاں دیکھنا مجھے تو بہت ہی بڈھا معلوم ہوتا تھا۔

بڑے میاں۔ بڈھا نہیں تو کیا جوان ہے۔ جوان کو کیا غرض پڑی تھی کہ رانڈ سے شادی کرے۔ لڑکوں کا ایسا توڑا ہے کہ اس بڑھاپے میں بھی اس کے پاس تین تین پیغام تھے۔ اور ایک سے ایک افضل۔ ماں باپ کو کبھی بیٹی کا حال پوچھنا ہی نہ چاہیئے۔ اب تو اسی گھر میں مرنا اور بھرنا جو لوگ اس تکا دویں سمجھتے ہیں کہ بیٹی کو تکلیف تو نہیں وہ غلطی پر ہیں۔ لڑکی کو یقین ہو جانا چاہیئے کہ میرا کوئی جاتی ہے ہی نہیں۔ یہ ہی میں نے اس کے پہلے موقعہ پر بھی کیا۔ کچھ یہ نہیں کہ آج اسکی ناموجودگی میں تو میں فرنٹ ہو گیا ہوں۔ نہیں میری ہمیشہ کی یہ ہی رائے ہے رشیدہ آج چھ برس سے مدراس میں ہے اسکی خیر خبر تک نہیں خط آئے گا جواب لکھ دوں گا۔ جہاں رہے خوش رہے۔

بیوی۔ اچھا لو سویرے سویرے وہ چکن تو لا دو میں اپنا کرتہ سی لوں۔

بڑے میاں۔ ہاں ابھی جاتا ہوں۔

بیوی۔ میں تو جانوں دوپٹہ کی بھی چکن ہی لے آؤ۔

بڑے میاں۔ اچھا ہاں دوپٹہ بھی اس کا رہے گا تو اچھا۔

بیوی۔ مگر اب ہی لا دو پرسوں کی تو شادی ہی ہے۔

بڑے میاں۔ ہاں ابھی لاتا ہوں۔

بیوی۔ ہو سکے تو ایک چار گز بہار ہی لے لینا۔

بڑے میاں۔ ضرورت ہو تو لے آؤں ورنہ پھر منگوا لینا۔

بیوی۔ ہاں لیتے ہی آنا۔

بڑے میاں۔ ہاں اور جوتی کی پیمان تو دو۔

بیوی - مجھے تو پاؤں ناپنا آتا نہیں - تم خود ہی ناپ لو۔

بڑے میاں - مجھے خود نہیں آتا۔

بیوی - پھر کیا کروگے۔

بڑے میاں - لاؤ پرانی جوتی دے دو،

بیوی - اچھا لے جاؤ۔

بڑے میاں نئی بیوی کی پرانی جوتی کپڑے میں لپیٹے بغل میں لیئے باغ باغ چلے جا رہے ہیں۔ نئی جوتی کی جھلک چکن کی بہار ابھی سے انکی آنکھ کے سامنے تھی کہ رستہ میں کارخاندار ملا اور کہنے لگا۔

واہ حضرت اچھا سلوک کیا آدمی تو اپنی ذات سے اچھا ہے بے زبان بھی ہے اور غریب سیدھی مگر یہ تین تین بھٹو کیسے جان کا وبال ہیں نہ روٹی ٹکڑے کی حلاوت۔ نہ بات چیت کا مزا ہر وقت اسی ہٹک میں لپٹی رہتی ہے۔ بھلا میں غریب آدمی دھیلی بارہ آنہ کا مزدور تین سیر آٹے میں جٹکی نہیں بچتی۔ میں نے نکاح اپنے آرام کو کیا تھا یا ان الفتوں کی پرورش کو اور یہ دیکھئیے۔ بچے کھلاتے تو شریف زادے ہیں مگر ایسے کھاؤ اور بیٹیل کہ الہی توبہ۔ وہ چھوٹا دیکھئیے تہ توڑ دیتا ہے۔ بھلا یہ عمر اور پانچ روٹیاں آج صبح کو باسی کھچڑی کا طباق لبالب بھرا ہوا میرے سامنے چٹ کر گیا بھورا نہ چھوڑا بھورا۔

بڑے میاں - آپ سے کہہ تو دیا تھا کہ بچے ساتھ ہیں۔

کارخاندار - مجھے یہ خبر تو نہ تھی کہ بچے جن ہیں۔

بڑے میاں - اجی جناب بچوں کا سب جگہ یہی حال ہے۔

کارخاندار - جی نہیں میرے اپنے بچے بھی ہیں اپنے سامنے بٹھا کر کھلا لیجئے آپکے بچوں سے آدھا کیا پاؤ پیٹ بھی نہیں ہے۔ اور لیجئے سر منڈاتے ہی اولے پڑے،

کپڑا ہے نہ جوتی تینوں کے تینوں ننگے پاؤں پھرتے ہیں۔
بڑے میاں۔ بھائی تقدیر انکی تمہاری حسب ہو پہناؤ نہ ہو نہ پہناؤ۔
کارخاندار۔ جناب ان بچوں کو تو آپ سنبھالئے۔
بڑے میاں۔ آپ نے بھی کیا بات کہی ہے۔
کارخاندار۔ کیوں غلط کیا کہہ رہا ہوں۔
بڑے میاں۔ جب بچوں کو میں نے سنبھالا تو لڑکی ہی مجھے کیا کہتی دوبھر تھی۔
کارخاندار۔ تو جناب ان جنگی پوتوں کا خرچ مجھسے نہیں اٹھتا۔
بڑے میاں۔ آپ نے پہلے کہدیا ہوتا۔
کارخاندار۔ پہلے نہیں کہا تو اب کہہ رہا ہوں آپ خود ہی سوچئے میری حیثیت اتنی ہے کہ سب کا خرچ اٹھاؤں، اپنے نہ معلوم کس طرح گذر کر رہا ہوں یوں کہیئے اللہ آخر وقت تک بھرم بنائے رہے۔
بڑے میاں۔ اب اسوقت تو میں جا رہا ہوں۔
کارخاندار۔ بسم اللہ!

(۱۴)

میں نے تجھسے بیس دفعہ کہا کہ مجید کی روٹی میں گھی لگا دیا کر مگر تو ایسی بے غیرت عورت ہی کہ کوئی بات سمجھ میں نہیں آتی میں جو کچھ کما رہا ہوں یہ اپنے بچوں کے لیئے یا تیرے ان ڈھینگروں کے واسطے۔
سعید۔ گھی تھا نہیں۔ ورنہ میں ضرور لگا دیتی۔
کارخاندار۔ نہیں تھا۔ اری دیوانی ہوئی ہے پرسوں ہی تو آٹھ آنے کا گھی آیا ہی
سعید۔ ختم ہو گیا۔
کارخاندار۔ پھر وہی آنکھوں میں خاک جھونکتی ہے،

سعید ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کارخاندار۔ ختم کیسے ہو گیا دال میں پڑا نہیں سالن بچا نہیں پھر کیونکر ختم ہو گیا۔ قطعی تو نے اپنے بچوں کو ٹھسا یا میں ہزار دفعہ کہہ چکا ہوں کہ اپنے بچوں کو ہمارے بعد روٹی کھلایا کر مگر تو خاک نہیں سنتی میری تو اچھی جان مصیبت میں آئی ہے بڑھے بے اپنی بلا میرے سر تھوپ گئی اور بے ایمان نے دوست بنکر مارا پر سوں گھنٹہ بھر مغز مارا ہے کہ ان بچوں کو لیجاؤ۔ مگر نہیں سنی،

سعید۔ اس میں میرا کیا قصور ہے اور یہ خیال صحیح نہیں کہ میں نے اپنے بچوں کو کھلا دیا جب سے آپ نے فرمایا ہے ہمیشہ آپ کے اور آپ کے بچوں کے بعد ان کو بچی کھچی دیتی ہوں۔ اور اگر نہیں بچتی یا کم ہوتی ہے تو بھوکا سلا دیتی ہوں،

کارخاندار۔ اری مسمی کیوں باتیں بناتی ہے کھٹی تو ہے بھی تو بڑی ایماندار اور میں نے کہا تھا کہ اس اپنے بڑے ڈھنڈ عاقم کو کام پر بھیجا کر تو نے بھیجا۔

سعید۔ مجھے عذر نہیں مگر یہ تیسری جماعت میں پڑھ رہا ہے اسکی تعلیم برباد ہو جائیگی

کارخاندار۔ کیا بے وقوف عورت ہے۔ مزدوری نہ کرے گا تو کھائیگا کہاں سے میری کیا ہوتی کو غرض پڑی ہے کہ اپنا پیٹ کاٹوں اور ان کا بھروں، پڑھ لکھ کر کچھ تو نہال ہوئی کچھ یہ نہال ہونگے۔

سعید ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کارخاندار۔ کام سیکھ لیں گے تو ایک ہنر تو ہاتھ میں پڑ جائے گا۔

سعید ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

کارخاندار۔ اب اس کا جواب کچھ نہیں ہے۔

سعید۔ اچھا۔

کارخاندار۔ مگر اسکی عادتیں بگڑی ہوئی ہیں یہ کیا کام سیکھے گا پتہ مرا ہوا نہیں

دل شیر بھوک کھلی ہوئی کام کرے اسکی جوتی۔

سعید۔ جیسی پڑے گی بھگتے گا۔

کارخاندار۔ ورے آبے۔

تو سیدھا خلیفہ جی کے ہاں چلا جا موم گروں میں ہٹی کا کارخانہ تو جانتا ہوگا

جا وہاں جا کر بیٹھ میں بھی روٹی کھا کر آتا ہوں۔ اور دیکھ جو تونے کام سے جی چرایا

یا خلیفہ نے شکایت کی تو یاد رکھیو کھال ادھیڑ دونگا۔

ماں خاموش بیٹھی منہ تکتی رہی حاتم نے ماں کے چہرہ پر ایک نظر ڈالی کہ شاید

اسکی زبان اس ناگہانی مصیبت کے رفع کرنے میں کچھ کام آئے۔ مگر اسکو معلوم

نہ تھا کہ سنگدل باپ نے بیٹی کی زبان ہمیشہ کو کیل دی۔ دونوں ماں بیٹے خاموش

کھڑے تھے۔ مگر نظریں ایک دوسرے کے چہرہ پر تھیں کہ کارخاندار بولا۔ ابے

پہلے تو یہ اپنا بستہ تو رکھ۔ ان کتابوں کو آگ لگا۔ اور تختی سلیٹ کو چولہے میں رکھ،

اس کا جواب بھی تعمیل کے سوا کچھ نہ ہو سکتا تھا لڑکا خاموش تھا کہ سوتیلا

باپ بگڑ کر اٹھا اور کہنے لگا:۔

ابے سنتا نہیں ہم کیا کہہ رہے ہیں۔

سعید۔ میں رکھ دیتی ہوں۔

کارخاندار۔ تو کیوں رکھتی ہے وہ آپ کیوں نہیں رکھتا۔

سعید۔ وہی رکھدے گا۔

کارخاندار۔ ہاں تو اسی سے رکھوا۔

سعید۔ اچھا۔

حاتم نے کتابیں سمیٹیں تختی اٹھائی سلیٹ گھسیٹی اور سب چیزیں ایک جا

جمع کر طاق میں رکھدیں،

کارخانہ دار۔ اب اگر مدرسہ کا نام لیا تو مارے جوتوں کے فرش کردونگا۔

سعید۔ نہیں اب نہ کہے گا۔

کارخانہ دار۔ پتہ سمجھ گیا۔

حاتم ------------------

کارخانہ دار۔ کیا مگرا لمڈا ہے۔

حاتم ------------------

کارخانہ دار۔ مارے جوتوں کے فرش کردونگا۔

سعید۔ جاتا ہے ابھی جاتا ہے۔

کارخانہ دار۔ تو اپنا لقمہ دے جائیو۔

سعید۔ ابھی چلا جاتا ہے۔

حاتم نے اب پھر ماں کی صورت دیکھی اور بجائے مدرسہ کے آج بھٹی کے کام پر روانہ ہو گیا۔

(۱۵)

مرزا حمید بیٹی کے نکاح سے فارغ ہو پوری طرح کھل کھیلے۔ سنا یہ تھا کہ "جا کر جو نہ آئے وہ جوانی دیکھی"! مگر دیکھا یہ کہ بڈھے دولہا اور بڑھیا دلہن بڑھاپے میں از سر نو جوان ہو گئے۔ اور ایسے کہ سچے جوانوں کو مات کیا۔ یہ توقع ہی غلط تھی کہ حمید کبھی بھولے سے بھی بیٹی یا اوسکے بدنصیب بچوں کا خیال آتا افسوس اسکا ہے کہ دنیا دکھاوے کو بھی حمید یا اوسکی بڑھیا دلہن نے کبھی جھوٹ موٹ کا کوئی حصہ بھی نہ بھیجا۔ کچھ یہ نہ تھا کہ خدانخواستہ مفلسی ہو۔ جوانی کے عود کرتے ہی ذرائع آمدنی بھی بڑھ گئے تھے۔ اور روزمرہ نت نئے سوانگ ہوتے رہتے تھے۔ اچھے سے اچھا کپڑا۔ اور بہتر سے بہتر کھانا آتا اور تیار ہوتا مگر لطف یہ کہ پرانا دھرانا

اور بچا کھچا محلہ والوں کو ملتا۔ پھک کر جاتا۔ خوشامدیوں کی نذر ہوتا اور الفتوں کے پیٹ میں پڑتا۔ مگر کٹے اس باپ کا منہ اگر بھولے سے بھی کہا ہو کہ آج سعید کے یتیم بچوں کو بھیجدو اور جلے اس سوتیلی ماکی زبان اگر اس سے یہ نکلا ہو کہ لاؤ یہ تو بدنصیب بچی کو بھیجدوں۔

سوتیلی مائیں تمام دنیا میں بدنام ہیں اور ان کے مظالم کی داستان سے کتابوں کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ ان کی حمایت لینا یا ان کو بھلا کہنا لاریب خلاف انصاف مگر یہ کیسا لطف ہے کہ باپ کا دامن ہر جگہ اور ہر معاملہ میں پاک، حالانکہ ماسے بدرجہا زیادہ باپ ان مظالم کا ذمہ دار ہے۔ افسوس یا رنج خلاف توقع واقعات پر ہوتا ہے۔ سوتیلی ماکی نفرت پر اس وقت تعجب ہوتا جب کسی بیوقوف نے اس سے شفقت کی توقع قائم کی ہوتی۔ اسکے سپرد کام ہی وہ کیا جا رہا ہے جسمیں غیرما کے بچوں سے اسکی منافرت یقینی ہے۔ آخر شوہر صاحب کو یہ حق کہاں سے لگیا کہ وہ بیوی سے یہ توقع رکھیں کہ ان کے بچوں کو اپنے بچوں کے برابر سمجھے وہ جو کچھ کر رہی ہے فطرت کے موافق یہ کس طرح ممکن ہے کہ ایک مرد ہو یا عورت کسی وجہ یا سبب سے فطرت بدلدے یہ تغیر اسکے اختیار سے باہر اور قبضہ سے دور ہے جہاں جہاں سوتیلی ما کے مظالم سنے گئے وہاں ہمیشہ عورتیں مورد الزام رہیں لیکن ان آنکھوں کے اندھوں کا رونا نہ رویا گیا جنھوں نے اپنے نفس پر کلیجہ کی آگ قربان کردی اور جس اولاد کے پہلی بیوی کی زندگی میں عاشق زار بنے چند ہی مہینوں کے الٹ پھیر میں ایسے بیزار ہوئے کہ دوسری بیوی کی شکایت پر اسکی شکل دیکھنی ناگوار ہونے لگی۔ یہ ہی وجہ ہے کہ ہم مرزا حمید کی بڑھیا دلہن کو باوجود صریح غفلت کے ہرگز ہرگز قابل الزام نہیں سمجھتے۔ اس سے اگر شکایت ہوسکتی ہے اسپر اگر الزام آسکتا ہے تو صرف یہ کہ اس نے ایک مظلوم پر رحم

نہ کیا۔ ہم یہاں تک بھی کہنے کو تیار نہیں کہ اس نے انسانیت کو طاق میں رکھدیا
اس کا اور سعید کا معاملہ حاکم و محکوم کا تھا اور اگر وہ سمجھی تو سعید ایک مظلوم عورت
اور اس کا شوہر ایک ظالم باپ تھا۔ لیکن اس نے اگر نہ سمجھا تو فطرت کے عین
مطابق تھا اور حمید کے مقابلہ میں اس کو گناہ پا سنگ بھی نہیں، حمید کا پہلا
قصور پہلا جرم پہلی خطا اور پہلی بیہودگی یہ تھی کہ اس نے بے وارثی اور بیوہ بچی
کو دھوکا دیا اور ایک ظالم شوہر کے قبضہ میں پھنسوا دیا۔ اسکو دیکھنا چاہئے تھا کہ
جس شخص سے میں نکاح کر رہا ہوں اس بوجھ کا اہل بھی ہے یا نہیں اسپر طرہ یہ
کہ گرمی کے دنوں میں دس دس اور بارہ بارہ سیر برف روز صرف دونوں میاں
بیوی کے واسطے آئے۔ رات کے گیارہ بجے کے بعد گھل گھل کر بہجائے۔ مگر سنگدل
کو کبھی اتنا خیال آئے کہ بدنصیب لڑکی کو ٹھنڈا پانی بھی مشکل سے نصیب ہوتا ہے
سننے والے کہیں گے کہ ایسا سنگدل باپ مشکل سے ہوگا۔ مگر دیکھنے والوں نے
مرزا حمید سے زیادہ لاپرواہ باپ دیکھے ہیں۔ اور اس سے انکار نہیں ہو سکتا
کہ اسکی ذمہ داری سوتیلی ماں پر مطلق عاید نہیں ہوتی۔

گرمی کے دنوں میں جب لو کے جھکڑ چل رہے تھے اور دونوں میاں بیوی
خس کی ٹٹی میں آرام فرما رہے ہیں یہ ہی بدنصیب حاکم بھولا بھٹکا پھرتا پھراتا نانا
سمجھ کر گھر میں گھس آیا اور آواز دی نانا ابا کدھر ہیں۔ بچہ اسوقت تصویر عبرت تھا
اس کے پاؤں میں جوتی نہ تھی اس کے جسم پر ثابت کپڑا نہ تھا پھٹا ہوا ایک بنیان
پرانا دھرانا میلا کچیلا ٹانگوں میں اور اس سے بدتر کرتہ گلے میں سر ٹوپی سے محروم تھا
اور داہنے گلے پر ایک سرخ نشان بتا رہا تھا کہ کسی سنگدل نے سخت چوٹ لگائی
ہے اسکی آواز مرزا کے کان میں پہنچی بیوی کو باہر بھیجا اور جب اس نے جا کر کہا کہ
حاکم ہے تو کہہ دیا یہ آنے کا کونسا وقت ہے پوچھو کیا کہہ رہا ہے۔

نانی - بیٹا! پوچھتے ہیں کیسے آئے۔

لڑکا - جی یوں ہی چلا آیا،

نانی - آخر کچھ تو کام ہوگا،

لڑکا - جی کچھ بھی نہیں،

نانی - پھر کیوں آیا ہے،

لڑکا - یوں ہی،

اب مرزا باہر نکلے اور کہا:-

"یہ کونسا وقت آنے کا ہے مدرسہ کیوں نہیں گیا،

لڑکا - مدرسہ سے تو میں اُٹھ آیا کام پر جاتا ہوں،

نانا - اچھا کام ہی پر سہی وہاں سے کیوں آیا،

لڑکا - آنے کو جی چاہتا تھا،

نانا - تو بھاگا ہوا ہے،

لڑکا - نہیں میں بھوکا ہوں۔ ابھی چلا جاؤں گا،

نانا - یہ کھانے کا کونسا وقت ہے۔

لڑکا - چلا جاتا ہوں،

نانا - بیٹا کھانا تو ہم سب کھا پی چکے۔

لڑکا - بہت اچھا،

اب نانی یعنی بڑھیا دلہن باہر آئی اور کہا شاید روٹیاں رکھی ہوں تو میں دیتی ہوں،

نانا - خیر دیدو مگر یہ روز کی کر لگ جائے گی،

آنکھ اس قسم کے واقعات شب و روز دیکھتی ہے کیسا دردانگیز سماں ہے وہ بچہ جس کی صورت کا باپ عاشق زار رہتا اور جسکے کرتہ پر معمولی میلا دھبہ ناگوار ہوتا تھا آج اس طرح

بھوکا پیاسا بیٹھا تھا کہ سر کے بال جھپر سے تھے بدن پر سوں میل تھا آنکھوں میں سیر دل چیپڑ تھے پیٹ کو چڑا تھا نہ تن کو چیتھڑا اور ظالم استاد نے لوہے کا گز اس زور سے منہ پر مارا تھا کہ خون جھلک رہا تھا۔ درد ہو رہا تھا مگر اس لئے کہ رات سے بھوکا تھا ان روکھی روٹیوں کو جیسے گھر نانی نے ڈال رکھی تھی اور جانور نا دیکھ رہا تھا ایسا گرا کہ شاید چیل بھی گوشت پر نہ گرے گی۔ حمید اس حالت میں گاؤ تکیہ سے لگ کر بیٹھ گیا مگر شاید فطرت نسوانی یہ ہی ہوگی کہ بیوی اس کی صورت تکتی رہی اور پوچھا

حاکم تو کام پر کیوں بیٹھ گیا اماں کس طرح رہتی ہیں کارخانہ دار کیسا تو اچھی طرح ہو۔

لڑکا۔ کیا بتاؤں اللہ کا شکر ہے،

نانی۔ آخر کچھ بتا تو سہی،

لڑکا۔ وہ تو ہماری جان کے دشمن ہیں،

نانی۔ اے ہے۔

لڑکا۔ دو دفعہ ابا جان کو مار چکے ہیں،

نانی۔ واہ واہ۔

لڑکا۔ مجھے مدرسہ سے اٹھا کر کام پر بٹھا دیا۔

نانی۔ پھر اماں نے کچھ نہیں کہا،

لڑکا۔ وہ کیا کہہ سکتی ہیں۔

نانی۔ یہ تیرے منہ پر نشان کیسا ہے،

لڑکا۔ خلیفہ جی نے گز پھرا کر مارا رات کو کارخانہ دار صاحب نے اماں کی بہت فضیحتیاں کیں اور اپنے سامنے کھانا پکوا کر رات کو کھایا اور اپنے بچوں کو دیا تین روٹیاں بچی تھیں وہ اماں جان کو دیدیں کہ چاہے تو کھایا اپنی اولاد کو کھلا۔ اماں جان نے دو چھوٹے بھائی کو کھلا دیں۔ ایک بچی تھی وہ بلی لے گئی۔ وہ بھی بھوکی سو رہیں اور میں بھی

کام پر گیا تو مجھے بھوک لگ رہی تھی کھا بیٹھ رہا ہو گیا تو خلیفہ نے مارا ہیں گھنٹہ بھر کی چھٹی لے کر آیا ہوں کہ بھائی کی دوا لانی ہے۔ اسکا جی اچھا نہیں۔

(۱۶)

جیٹھ کا قیامت خیز مہینہ جب آسمان آگ برسا اور زمین اگل رہی تھی بد نصیب سعیدہ تین سیر آٹا تھوپ چولہے سے باہر نکلی۔ اسکے کپڑے چکٹ تھے پرانے تھے اسکی جوتی ٹوٹی ہی کھلا تھی اس کا سر مہینوں کا گندھا ہوا چوٹیاں مہینوں کی پہنی ہوئی عورت نہیں بد قسمتی کا مجسمہ اور بیوی نہیں مصائب کی پوٹ تھی اسکی صورت دیکھ کر خدا یاد آتا تھا باپ کی نفسانیت کا شکار اس کے چہرہ پر لکھا ہوا تھا کیسی نصیب کس قدر تصدیر پھوٹی کہ عمر کی ایک ساعت اور زندگی کا کوئی لمحہ چین یا اطمینان کا نہ گزرا پہلا شوہر پھر غنیمت تھا کہ اس کے راج میں یہ کوفت نہ تھی روپیہ پیسہ کی طرف سے بے فکر تھی۔ بیسیوں نہیں سینکڑوں صرف کرتی تھی۔ مانگتی تھی اور وہ لاتا تھا اٹھاتی تھی اور وہ دیتا تھا لیکن یہ خبر نہ تھی کہ تقدیر ایک اور گل کھلائے گی اور جفا کار باپ ایسے شخص کے ہاتھ میں ہاتھ دیگا جو الف کے نام سے نہ جانتا ہو بد معاشوں کی سے مزاج اوباشوں کا سا گھر

آج تیسرا روز ہے کہ حاتم کا پتہ نہیں خاصا اچھا صبح کے وقت کا گیا دوپہر کو روٹی کھانے نہ آیا۔ متفکر ہوئی شام سر پر آئی مگر نہ آیا رات بھر دروازہ کھولے بیٹھی رہی ذرا سی آہٹ پر دوڑ کر جاتی اور ناکام آتی پھر کچھ کھٹکا ہوتا دوڑتی اور کہتی حاتم! مگر کچھ جواب نہ آتا چلی آتی۔ رات ختم ہوگئی شوہر آیا مگر نہ یہ پوچھا نہ پوچھنے کی ضرورت تھی کہ حاتم کہاں ہے خود اتنی مجال نہ تھی کہہ سکتی یہ دن بھی صاف اور یہ رات بھی پوری گذری۔ دل کا جو حال تھا وہ خود وہی سمجھ سکتی تھی طرح طرح کے وہم قسم قسم کے وسوسے دل میں آتے تھے کبھی کہتی تھی کم بخت کہیں دور

سے استاد نے گزارا۔ میں نے یہ جسم اسواسطے اپنے خون جگر سے سینچا تھا اس روز کو انشاء اللہ ہیں گی تھی کہ بنّی کا خلیفہ ہو لہان کر دے۔ کیا خبر کیا ہوا کہیں کنوئیں میں تو نہیں ڈوب گیا۔ ایک ایک پیسہ پیسہ کو ایک ایک روٹی کو محتاج ہو نوکروں سے بدتر ہو ڈا اغلاموں سے ذلیل گت۔ نکل گیا کہیں چلا گیا۔

ان ہی خیالات میں غلطاں پیچاں تھی پہلا خیال پختہ ہوا اور یقین کامل ہو گیا کہ بیشک کنوئیں میں ڈوبا اب دل کی حالت بگڑی اور یاس نے زخمی کلیجہ پر برچھیاں لگانی شروع کیں۔ ایک ٹوٹے جھلنگے پر بیٹھی اسی چکر میں الجھ رہی تھی سر کا ہوش تھا نہ تن کا آنکھوں سے زار و قطار آنسو کی لڑیاں بہہ رہی تھیں دل امنڈ رہا تھا دفعۃً دل نے صدا دی کہ ایسا بدنصیب بچہ جسکو کم بخت ماں کے گھر سے کفن تک نصیب نہ ہوا ہائے مجھے کیا معلوم تھا کہ اب یہ صورت مجھے ہمیشہ کو چھٹتی ہے۔ کس منت سے چلتے وقت کہہ رہا تھا کہ اماں جان شام تک بھوکا رہونگا ایک باسی روٹی دیدیجئے۔ روکھی کھالوں گا۔

کچھ سوچتے سوچتے آپ ہی آپ کہنے لگی پیارے جاتجے قصور ہوں روٹی میری نہ تھی اسلئے کہ میں مجبور ہوں تو نے مجھے کفن کی بھی تکلیف نہ دی ہائے کوئی لاش نکالنے والا بھی نصیب نہ ہوا۔

سینہ کے اندر دل خیال پر مقصد میں مچھلی کی طرح تڑپ رہا تھا مگر بے بس تھی مجبور تھی قصد کرتی تھی کہ کپڑے پھاڑوں اور نکل جاؤں اس کے خلیفہ سے پوچھوں رستہ چلتوں سے دریافت کروں اور شاگردوں سے کہوں شاید کسی نے میرے حاتم کو دیکھا ہو۔ کنوؤں میں جا کر جھانکوں جنگلوں میں جا کر ڈھونڈوں لیکن ہاسنے تقدیر مجبور تھی کیا کروں آج قمرالدین ہو صاحب اولاد ہو مگر مجھے پوچھتا تک نہیں۔ گھر میں ذکر تک نہیں کہ بے وارث حاتم کہاں گیا۔ میں خود ہی

کہوں کہ میرا حاتم کہاں ہے۔

بیتاب ہو کر ایک ٹھنڈا سانس بھر اکلیجہ پر گھونسا مارا اور وہ کہ رہی تھی کہ

پوچھوں مگر ابھی کچھ کہنے نہ پائی تھی کہ یہ الفاظ کان میں آئے۔

میں نے کہا تھا کہ پہونچیاں ہی دیدے کہاں جاؤں گا اللہ چاہے مہینہ

ڈیڑھ ہی مہینہ میں چھڑادوں گا۔

سعیدہ- آپ نے بالیاں کہی تھیں

کارخاندار- پہونچیاں بھی کہی تھیں۔

سعیدہ- اب لادیتی ہوں،

ایسی حالت میں کہ دل قابو میں نہ تھا اٹھی اور کوٹھڑی کی طرف چلی دو ہی

قدم چلی تھی کہ کارخاندار نے کہا۔

دیکھ تیرے چھوٹے بچے نے میرے بنجھلے کا کرتا ناس کردیا،

عجب بے غیرت بچے ہیں پچاس دفعہ کہا کہ اپنے ان بچوں

سے بات نہ کیا کرو یہ تمہاری طرح بے وارثے نہیں ہیں مگر باز نہیں

آتے- روپیہ گز کی چکن پونے دو روپے کا کرتہ خاک میں

مل گیا،

اتنا کہہ کر کارخاندار اٹھا اور سعیدہ کے اس معصوم بچہ کو جسکی عمر زیادہ سے

زیادہ پانچ سال کی ہوگی اور جس کا قصور صرف اتنا تھا کہ چکن کے پھول کو انگلی لگانے

کا جذبہ ننھے سے دل میں پیدا ہوا- پکڑ کر دونوں کان مروڑے اور اس زور سے

تھپڑ مارا کہ یتیم بچہ جسکو نانا کی نفسانیت نے اس چکر میں پھنسوایا بلک گیا

مظلوم ماں کی آنکھیں بڑے بچہ کے فراق پر خون گرا رہی تھیں بے گناہ بچہ کا یہ

حشر دیکھ کر تڑپ اٹھیں اور یہ پہلا روز پہلا موقع پہلا اتفاق تھا کہ ماں کے جوش

میں بے اختیار ہو کر سعید نے صرف اتنا کہا:-

کیوں مارتے ہو۔

کارخاندار۔ ماروں نہیں تو کیا پیار کروں۔

سعید۔ پیار کرنے کو تو میں نہیں کہتی،

کارخاندار۔ پھر کیا بڑبڑا رہی ہے،

سعید۔ بچہ ہے قصور ہوا معاف کر دو۔

کارخاندار۔ جب تو چھٹتی اسکی حمایتی موجود ہو تو بچہ کہاں سے رہا۔

یہ کہتا ہوا کارخاندار اٹھا کہ بیوی نے میرے شان میں اس قدر گستاخی کی غصہ میں بھنبنا کر اس کے قریب آیا اور کہا:-

پہونچیاں نکالیں۔

سعید۔ نکالنے جا رہی ہوں،

اب کارخاندار کو کہاں صبر تھا پھر اس نکالنے کو یہ موقعہ اچھا کافی تھا تار کی چکلی سامنے رکھی تھی وہی اٹھا کر ماری اور کہا:-

یہ بھی کوئی اور سمجھا ہے۔

سعید ....

کارخاندار۔ ذلیل کہیں کی۔

سعید ....

کارخاندار۔ جوتی خوری ہے پٹ کر ٹھیک ہوئی۔

سعید ....

(۱۷)

سعید کے ماتھے پر چکلی کا نشان موجود تھا مگر بچہ کی مصیبت کے آگے

وہ ہر تکلیف فراموش کر چکی تھی اس بلبل کی طرح جو یاد وطن اور فراق آشیاں میں چاروں طرف قفس کی تیلیوں سے ٹکراتی ہوا ادھر ادھر سر پھوڑ رہی تھی مگر اس زخم کا اندمال تو علیحدہ رہا کوئی متنفس اتنا نہ تھا کہ مرہم کا پھاہا رکھ دیتا۔ ستم پر ستم اور غضب پر غضب یہ تھا کہ اف کرنے کی اجازت نہ تھی۔ کلیجہ کا ٹکڑا جیتا جاگتا جس کے دم سے تمام امیدیں وابستہ تھیں جسکو دیکھکر ہر کوفت بھول جاتی تھی آنکھوں کے سامنے سے غائب ہوا۔ پھول سا لال جو ناناؤں اور ماماؤں اور کھلائیوں کی گود میں سیانا ہوا جس کے قدموں میں لوگ آنکھیں بچھاتے تھے ایک بیہودہ جاہل اور کٹر شخص کے ہاتھ سے پٹا۔ آپ جو اتنی عمر تک باوجود نااتفاقی کے نوکروں پر حکومت ماماؤں پر تسلط اور گھر پر راج کرتی رہی جہنمی باپ کے طفیل ایک شقی القلب بدبخت کے ہاتھوں ذلیل ہوئی رسوا ہوئی مار کھائی۔ لیکن یہ مجال نہ تھی کہ شکایت کا ایک حرف زبان پر آسکے۔ ہم سعید کی طبیعت سے اچھی طرح واقف تھے۔ ہماری آنکھوں کے سامنے چھوٹی سے بڑی ہوئی۔ ہم نے اس کا بچپن دیکھا جوانی دیکھی سہاگ دیکھا بیوگی دیکھی ہمارا ایمان ہے کہ ایک جلتی کیا ہزار لاتیں اور باتیں اس کا جسم زخمی اور سینہ چھلنی کرتیں۔ صبر اور شکر اطاعت اور فرمانبرداری جو ایک بیوی کے جوہر ہیں قدرت نے اسکی رگ رگ میں کوٹ کوٹ کر بھر دیے تھے، اس سے زیادہ انسانیت اور شرافت اس سے بڑی اطاعت کیا ہوگی کہ پہلے شوہر کی ہر بھاو بیجا خفگی کے آگے سر تسلیم خم کیا۔ کٹر باپ کے حکم کے روبرو خلاف خواہش گردن جھکائی زبردستی کے شوہر کارخاندار کے سامنے ہر ستم پر خاموش رہی یقین ہی حق الیقین عین الیقین کہ سعید فطرتاً ایسی نیک مذہباً ایسی مخلص اور فیاساً ایسی نیک لوک کی بیٹی تھی کہ ٹکڑے اڑ جاتے اور تیوری پر بل نہ لاتی۔ کارخاندار بدمعاش کو تو کیا ایک دنیا کو معلوم ہوجاتا کہ تعلیم عورت کو پارس بنا دیتی ہی مگر ماتم جیسے بچہ کی دندہ موت

ایسی نہ تھی کہ قلب مضطرب تڑپ تڑپ کر ٹھنڈا ہو جاتا اور جو آگ کلیجہ میں لگ رہی تھی اس کا دھواں منہ سے نہ نکلتا۔

دوپہر کا وقت تھا دیوانوں کی طرح انگنائی میں چکر کاٹ رہی تھی اور سات روز گزر جانے پر بھی دروازہ پر نگاہ تھی کہ شاید وہ بھولی صورت نظر آ جائے وہ پیاری باتیں ایک دفعہ کان اور سن لیں، کہ کچھ خیال آیا دالان میں آئی۔ کاغذ ہاتھ میں لیا۔ اور قصد کیا کہ برابر میں جو مسلمان ڈپٹی صاحب رہتے ہیں ان کو خط لکھوں مگر حیا نے ہاتھ پکڑ لیئے شرافت نے زبان روکی اور دل نے کہا گھر کی ہوا نکلتی ہے لطف یہ ہے جلکر خاک ہو جاؤں اور بھاپ نہ نکلے مگر مامتا نے حیا کو ٹھکرا دیا اور کہا ظالم میرا بچہ تھا میں نے اسکو نو مہینہ پیٹ میں رکھا ڈیڑھ برس دودھ پلایا چھ سات برس پالا آج وہ مجھ سے ہمیشہ ہمیشہ کو جدا ہو جائے اور میں کروں چلی ماز ندہ رہوں کھاؤں پیوں رہوں سہوں اور اسکی پرواہ نہ کروں۔ میں نے دوسرا نکاح کیا اسپر مصیبت ڈہائی اپنے ہاتھ سے ہری بھری کوپل ملیا میٹ کی میں اس کے بعد زندہ رہوں اور نہ ڈھونڈوں۔ ماہوں۔ ڈاین نہیں اسکی لونڈی ہوں دشمن نہیں اگر سنگدل ملا بے درد مسلمان معترض ہوں کہ ایک غیر مرد کو رشتہ نہ ناتا جان نہ پہچان خط لکھتی ہوں تو دیوانے مامتا سے ناواقف لگی سے ناآشنا بکیں اپنے منہ سے بکا کریں کہیں اپنی زبان سے کہتے رہیں۔ میرا کلیجہ زخمی میرا دل چور میں مجبور رہوں خدا مارے یا چھوڑے عذاب ہو یا ثواب دوزخ ہو یا بہشت میرا بچہ مجھے ملجائے۔ اس کے بعد سعید کچھ دیر خاموش رہی کچھ سوچا اور لکھنا شروع کیا۔

سلام علیکم۔ سنتی ہوں کہ آپ حاکم ہیں اور پڑھا ہے کہ مظلوم کی اعانت ثواب۔ ضرورت ہے کہ کچھ کہوں اور مجبور ہوں کہ تھوڑی سی تکلیف دوں مجھے اس تکلیف کا حق ہے اسلیئے نہیں کہ ہمسایہ ہوں، اس لئے آپ شاید معترف نہ ہوں نہ اس واسطے

کہ مسلمان ہوں یہ غالباً آپ کے خیال میں لغویت ہوگی، بلکہ اسلیئے اور صرف اسلیئے
کہ مظلوم ہوں بدنصیب ہوں، وقت نے میرا عیش اجاڑا میری حیا شرم ختم کی اور
آج یہ دن ہے کہ جو ہاتھ حقیقی اور مجازی خدا کے سوا کسی انسان کے آگے نہ پھیلے
وہ اس وقت آپ سے رحم کے ملتجی ہیں،

میں کون ہوں یہ جانے دیجیئے مصیبت کی ماری، ظالم کی ستائی وہ بے وارثی
جس کا وارث وہ بیکس جس کا حامی خدا کے سوا کوئی نہیں مفصل داستان بے سود
اور پوری رام کہانی بے کار۔ فریادی ہوں بھکارن ہوں عقل زائل حواس باطل
سائل ہوں رحم کی ملتجی ہوں کرم کی،

دل میں ہوک اٹھتی ہے کیونکہ کہوں میری آٹھ سال کی کمائی لٹ گئی میرا چمن
اجڑ گیا میری بہار مٹ گئی۔ میرا پہلونٹی کا بچہ حاتم جیتا جاگتا آج آٹھ روز ہوئے
کہ میری آنکھوں سے اوجھل ہے۔ ذلیل ماں کا بچہ بڑے باپ کا بیٹا تھا جو ہر شرافت
زائل نہ ہوئے آبائی خون رنگ لایا اور غیرت کا پتلا، بے غیرت ماں کا کلیجہ توڑ نہ
معلوم کہاں گیا اور کدھر اڑا زندہ ہے یا مردہ زمین پر ہے یا آسمان پر۔

مردہ شوہر کی جنتی روح کانپ اٹھے گی اگر کہوں کہ کس کا بیٹا اور کس کا پوتا
مگر یہ بتانا گناہ نہیں کہ اس باپ کا بیٹا تھا دولت جس کے قدموں میں لوٹتی اور جس نے
تیس بتیس سال کی عمر میں ایک لمحہ کو انسان کا احسان نہ اٹھایا۔ جب موت نے
غیرت مند باپ کا چہرہ خاک میں ملایا تو بے حیا ماں بیوگی کا برقع سر پر ڈال گھر
سے باہر نکلی خدا کا وسیع ملک بھرا پڑا تھا مگر بدنصیب بیوہ کے واسطے میکے کے سوا
کوئی پناہ کی جگہ نہ تھی۔ مگر غلطی پر ہے دنیا اور دنیا والے۔ اگر اس گھر کو میکا کہیں اور
اپنا سمجھیں۔ جو ماں کی زندگی سے محروم ہو چکا ہو میرا کا باپ اگر بیوی لانیکے بعد
فرشتہ ہو جاتا تو حاشا وکلا شکایت نہ تھی۔ میں اب بھی کہ وہ محسن ہے آتا ہے

باپ ہی ملزم نہیں ٹھہرتی ۔ ضرورتوں سے مجبور واقعات سے لاچار اور حالات سے
متاثر ہو کر اس نے نکاح کیا درست کیا خوب کیا مگر تکمیل مقصد سے قبل عالم
ضعیفی کی سیجوں پر میری ہستی کا تخیل کانٹا بن کر کھٹکا اور پتھر دل کے ناپاک
جذبہ نے میرے نکالنے کی کوشش کی ۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میرے الفاظ اس
انسان کو جو آخر میرا باپ ہی ہے مجرم نہ قرار دیں ۔ لیکن کیا کروں ادھر وہ ہے
جسکی اولاد میں اور ادھر وہ جو میری اپنی اولاد ہے وہ بچی کا گھر سے نکالنا آسان
کام نہ تھا ایک جاہل بڈھا زردوز غنیمت سمجھ میرا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دیدیا
اس سے بڑھ کر ظالمانہ فعل اس سے زیادہ وحشیانہ حرکت دنیا میں مشکل سے
ہوگی وہ انسان نما جانور جو میرا شوہر تھا انصاف اور ایمان سے ہزاروں
کوس دور ہے ۔ انسانیت اس کو چھو نہ گئی میں ایک بے گناہ مجرم کی طرح اسکے
پاس مقید ہوں ۔ میرے معصوم بچے غلاموں کی طرح اسکی اور اس کے بچوں کی
خدمت میں مصروف ہے لیکن اسکا دل موم نہ ہوا مظلوم بچوں پر میری آنکھ کے
سامنے چار چوٹ کی مار پڑی جسم پر بدھیاں اور منہ پر نشان ہو گئے مگر بے درد کے
بچوں کی تیوری پر بل نہ آیا ۔ میرے دل پر جو کچھ گذرتی ہے بیان نہیں کر سکتی
خیال کیجئے کہ وہ کیا وقت ہوگا جب ایک ایل ایل بی کا لڑکا مدرسہ سے اٹھکر
بٹنی کے کام پر بیٹھتا ہے ۔ ماں کے کان سنتے ہیں کہ سوتیلا باپ یہ ستم توڑ رہا ہے
اسکی آنکھیں دیکھتی ہیں کہ مدرسہ جانے والا بچہ کام پر جا رہا ہے استاد اس کی
کھال اڑاتا ہے خلیفہ اس کے گھونسے مارتا ہے ۔ مگر ماں اتنی قدرت نہیں رکھتی کہ اف
کر سکے وہ دیکھتی ہے کہ سارا گھر بیٹھا کھا رہا ہے ۔ شوہر کے پہلے بچے پیٹ
بھر رہے ہیں مگر اس کا معصوم بھوکا پیاسا کام پر جا رہا ہے اس کا دل کیا کہتا ہوگا
یہ آپ کہیے اس بچہ پر کیا گذرتی ہوگی یہ خدا جانے ۔ اب کہ میری آنکھیں اپنے

لال کا رستہ دیکھتے دیکھتے پتھرا گئیں اور دل کی ہوک منہ پہ لیے تیز ہو رہی ہے ہاتھ
جوڑ کر التجا کرتی ہوں اپنے بچوں کا صدقہ میرا بچہ مجھ سے ملوا دیجیے"

رات کے دس بجے تھے کارخانہ دار بے خبر پڑا سوتا تھا کہ ماںتا کی ماری ایک
میلی سی چادر اوڑھ پرچہ ہاتھ میں لیے باہر نکلی اور ڈپٹی صاحب کے مکان پر پہنچی
شرم کے مارے جسم تھر تھر کانپ رہا اور خوف کے سبب سے دل دھڑ دھڑ کر رہا تھا
مگر لگی کے آگے سب ہیچ تھا اندر پہونچی۔ ڈپٹی صاحب بیٹھے حقہ پی رہے تھے پوچھا
کون ہے رو کر قدموں میں گری پرچہ ہاتھ میں دیا اور کہا۔

"میرا کام کر دیجیے خدا آپ کا کام کرے گا"

ڈپٹی صاحب کی تیوری پر بل آ گیا۔ با دل ناخواستہ پرچہ پر ایک نظر ڈالی
اور کہا ہم سے واسطہ نہیں کوتوالی جاؤ۔

باہر آئی اور پوچھتے پوچھتے اس کے کارخانہ گئی تو معلوم ہوا دریا میں ڈوب
کر مر گیا اب دل کا خدا حافظ تھا گرتی پڑتی تھی سر پھوڑتی تھی مگر دل کسی طرح چین
نہ لیتا تھا گھر پہونچی دونوں بچوں کو گود میں لیا اور اندھیرے کنوئیں پر پہونچ کر سر کی
چادر اتار بچوں کو چھاتی سے باندھا آسمان کی طرف دیکھا اور کہا خودکشی نہیں لال
کی تلاش ہے یہ کہا اور کنوئیں میں گر پڑی ۔

فہرست تصانیف مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری مدظلہ العالی دہلوی

شمارہ	نام کتاب	مضمون کتاب	قیمت
۱	صبح زندگی	اسمیں بتایا گیا ہے کہ ایک پھوہڑ لڑکی سگھڑ کس طرح بن سکتی ہے۔	۱ہ ر
۲	شام زندگی	اس کتاب کے پڑھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بیویاں اپنے شوہروں کو کس طرح خوش رکھ سکتی ہیں۔ درد، غم، محبت و ہمدردی کا سمندر	عہ ر
۳	شب زندگی	ایک نیک بی بی کو مرنے کے بعد اسکے نیک اعمال کا کیا ثمرہ ملا۔	عہ ر
۴	طوفانِ حیات	رسوم قبیحہ اور اعمال مشرکہ کے چھڑانے کے لئے بے نظیر کتاب ہے۔	عہ ر
۵	جوہر قدامت	دو بہنوں کی پر درد داستان جسمیں ایک نئی روشنی اور دوسری پرانی تہذیب کی دالہ و شیفتہ ہے۔	۹ہ ر
۶	عروس کربلا	کربلا کا جگر دوز واقعہ معہ عشق و محبت کے پاک افسانہ کے	عہ ر
۷	سراب مغرب	تعلیم نسواں کے لئے غیر مسلم ذرائع سے مستفید ہونے کا فیصلہ	۸ ر
۸	بنت الوقت	مغربی تعلیم نے ایک شریف لڑکی پر کیا اثر ڈالا۔	۸ ر
۹	سات روحوں کے اعمالنامے	بھلی اور بری سات روحوں کی سرگذشت نہایت پرلطف اور درد انگیز	۸ ر
۱۰	الزہراء	سیدۃ النساء حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی مکمل سوانح عمری۔	عہ ر
۱۱	نوحۂ زندگی	تین بیواؤں کی پر درد و عبرت انگیز داستان	۱۲ ر
۱۲	فسانۂ سعید	ایک سوتیلے باپ کا ظلم مظلوم بچوں کی عبرت انگیز کہانی درد و غم کا سمندر	۱۲ ر
۱۳	روداد قفس	مولانا کی تمام نظمیں جو صنف نسواں کی حمایت میں لکھی ہیں۔	۴ ر
۱۴	جوہر عصمت	مولانا کے بہترین مضامین کا مجموعہ	۸ ر
۱۵	انگوٹھی کا راز	نام سے ظاہر ہے۔	۸ ر
۱۶	تائید غیبی	عشق و محبت کا فسانہ۔	۸ ر
۱۷	منازل السائرہ	بچوں کی تربیت کس طرح بھلی ہوتی ہے	عگر
۱۸	موودہ	دو بہنوں کا دلچسپ فسانہ۔	۸ ر